اہم مباحث

اسلام جمہوریت اور آئین پاکستان

www.KitaboSunnat.com

تدوین: سجاد اظہر

پاک انسٹیٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

PAK INSTITUTE FOR PEACE STUDIES
KNOWLEDGE FOR PEACE

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ

مجلس التحقیق الاسلامی کے زیر اہتمام

محدث لائبریری

کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی کتب کا سب سے بڑا مفت مرکز

معزز قارئین توجہ فرمائیں

- کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب ... عام قاری کے مطالعے کیلئے ہیں۔
- مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق واجازت کے بعد (Upload) کی جاتی ہیں۔
- دعوتی مقاصد کیلئے ان کتب کو ڈاؤن لوڈ (Download) کرنے کی اجازت ہے۔

تنبیہ

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کیلئے استعمال کرنے کی ممانعت ہے

کیونکہ یہ شرعی، اخلاقی اور قانونی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

PDF کتب کی ڈاؤن لوڈنگ، آن لائن مطالعہ اور دیگر شکایات کے لیے درج ذیل ای میل ایڈریس پر رابطہ فرمائیں۔

KitaboSunnat@gmail.com

library@mohaddis.com

www.KitaboSunnat.com

اہم مباحث

اسلام، جمہوریت اور آئینِ پاکستان

تدوین

سجاد اظہر

پاکستان انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

PAK INSTITUTE FOR PEACE STUDIES

KNOWLEDGE FOR PEACE

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب	:	اسلام، جمہوریت اور آئینِ پاکستان
تدوین	:	سجاد اظہر
اشاعت	:	2014
تزئین	:	زی گرافکس
قیمت	:	100 روپے
تعداد	:	ایک ہزار
صفحات	:	144
مطبع	:	بی پی ایچ پرنٹرز، لاہور

ISBN: 978-969-9370-20-5

342.547

تقسیم کار

Narratives Pvt Ltd

پوسٹ بکس نمبر 2110، اسلام آباد

فون: 051-2806074

ای میل: info@narratives.pk

ویب سائٹ: narratives.pk

21153

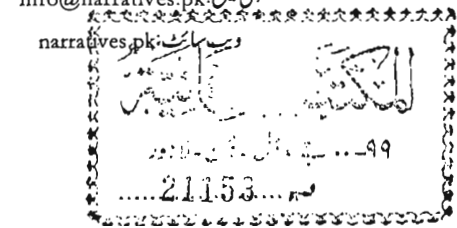

” محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ “

www.KitaboSunnat.com

فہرست

تعارف ۵

مکالمہ اوّل ۹

مکالمہ دوم ۵۵

مکالمہ سوم ۹۳

مکالمہ چہارم (قومی) ۱۲۱

متفقہ سفارشات ۱۴۱

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

تعارف

پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز (PIPS) گزشتہ چار سال سے پاکستان کو درپیش مختلف النوع مسائل کے حل کے لئے علمائے کرام کے ساتھ مشاورت میں سرگرم عمل ہے۔ اس ضمن میں ادارہ بین المسالک اور بین المذاہب مکالمہ کی علاوہ علمائے کرام کے دیگر طبقات کے ساتھ مکالمہ اور روابط کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ دینی مدارس کے طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے مختلف تقریبات کا انعقاد، مدارس اور دیگر جامعات کے طلباء کے درمیان روابط اور مکالمہ کا فروغ بھی ادارہ کی ترجیحات میں شامل رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایسے موضوعات جن کا براہِ راست تعلق علمائے کرام اور مذہبی سکالرز کے ساتھ ہے یا جن موضوعات میں عوام رہنمائی کے لئے علمائے کرام کی طرف متوجہ ہوتے ہیں ان پر مختلف مسالک کے جید علمائے کرام کے مابین مکالمہ اور مباحث کے ذریعے ایک متفقہ فکر و نظریہ کا فروغ بھی ہماری کاوشوں میں شامل ہے تاکہ علمائے کرام عوام الناس کی مبہم اور پیچیدہ مسائل میں بہترین رہنمائی کر سکیں۔ پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز (PIPS) کی علمائے کرام کے ساتھ مختلف سرگرمیوں میں بالخصوص مسئلہ تکفیر و خروج کی بحث میں یہ بات سامنے آئی کہ علمائے کرام اور مذہبی سکالرز آئین پاکستان اور جمہوریت کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بارے میں متذبذب اور منفرج خیالات اور نظریات رکھتے ہیں۔

:۔ جمہوریت اگرچہ کفر بواح نہیں ہے لیکن یہ اسلام اور شریعت کے نفاذ کے لئے کوئی مثالی سیاسی نظام بھی نہیں کیونکہ یہ نظام بہت سی حدود و قیود اور بین الاقوامی قوانین کا پابند ہے۔

:۔ جمہوریت ایسے قوانین اور فیصلوں کو نافذ العمل کرتی ہے جو عوام کے منتخب نمائندوں پر مشتمل قانون ساز ادارہ بناتا ہے، یہ اس بات کے مترادف ہے کہ حکمران خدا کے علاوہ کسی اور کا بھی حکم مان سکتا ہے یا وہ حکم جاری کر سکتا ہے جو اس کی منشا ہو۔

:۔ اگرچہ دین اسلام لوگوں کے منتخب نمائندوں کی مکمل اور خود مختار اتھارٹی کو مسترد کرتا ہے لیکن یہ لوگوں کو حق حکمرانی دیتا ہے اور انہیں یہ اختیار فراہم کرتا ہے کہ وہ اپنے حکمران منتخب کریں۔

:۔ علامہ محمد اقبال پارلیمنٹ کو ہم عصر زمانے میں اجماع (مسلمان اہل علم کا کسی قانون یا مسئلہ پر متفقہ رائے قائم کرنا) کے مترادف خیال کرتے ہیں۔ یعنی اگر مسلمان اپنی پارلیمنٹ کو اسلام کی تشریح کا اور شریعت کے مطابق قانون سازی کا حق دے دیں تو پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین اور تشریح کو غیر اسلامی قرار نہیں دیا جائے گا۔

:۔ علمائے کرام اور مذہبی سکالرز کو اسلام اور جمہوریت کے لئے اپنے اکابرین علماء کے مرتب کردہ 22 آئینی نکات سے انحراف نہیں کرنا چاہئے، جس میں انہوں نے جدید سیاسی نظام اور اس کے مختلف عناصر مثلاً ریاست، پارلیمنٹ، آئین اور قانون سازی کو 1973ء کے آئین کے تحت تسلیم کیا ہے۔

جمہوریت اور آئین پاکستان کی حیثیت کے بارے میں پائے جانے والے علمائے کرام کے متضاد اور متذبذب افکار و نظریات ملک کے مذہبی بیانیے کے ذریعے اور اسی طرح کے دیگر مذہبی و نظریاتی ابہامات سرعت کے ساتھ پھیلتے جا رہے ہیں جو ملک میں جمہوری طریقہ کار پر عوام کو مزید شک و شبہات میں مبتلا کرتے ہیں بالخصوص ملک میں اسلامی قوانین کے نفاذ کے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

طریقہ کار اور لائحہ عمل طے کرنے میں ایک اہم رکاوٹ ہیں۔

طالبان کے ایک اہم رہنما عمر خالد خراسانی نے جماعت اسلامی کے نومنتخب امیر سراج الحق کو ایک خط لکھا جس میں انھوں نے کہا کہ پاکستان میں جمہوری جدوجہد کے ذریعے پچھلے 66 سال سے شریعت نافذ نہیں ہو سکتی لہٰذا اب اس کے لئے مسلح جدوجہد کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ (بحوالہ ماہنامہ البرہان لاہور شمارہ اپریل 2014)

اس کی بھی علماء وضاحت کریں کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے جہاد اگر چوٹی کا عمل ہے تو اصلاح معاشرہ کی کوششوں کا درجہ کیا ہوگا اور قتال کا کیا، مولانا اشرف علی تھانوی نے کہا تھا کہ اگر مجھے حکومت مل جائے تو (حدود وغیرہ نافذ کرنے سے پہلے) دس سال تک لوگوں کی اصلاح کروں گا۔

ایک اور نقطۂ نظر جس کی وضاحت کرتے ہوئے ماہنامہ الشریعہ گوجرانوالہ (شمارہ جون 2014) نے لکھا ہے کہ انسانیت کی تاریخ میں جنگ وقتال بجا طور پر ہمیشہ ایک غیر مطلوب، اضطراری اور ہنگامی حالت رہی ہے اور امن وسکون کا زمانہ بالکل فطری، مطلوب اور مستقل چیز سمجھا جاتا رہا ہے، کسی بھی قسم کی تبدیلی کی جدوجہد کے لئے بھی یہ اصول فطری اور

عین مطلوب ہے۔ اسی مضمون میں ایک جگہ مولانا مودودی کا ایک اقتباس پیش کیا گیا ہے جس میں مولانا فرماتے ہیں کہ ''غلطی سے تاریخ نگاروں نے غزوات کو اتنا نمایاں کر دیا ہے کہ لوگ سمجھتے ہیں عرب کا یہ انقلاب لڑائیوں سے ہوا حالانکہ آٹھ سال کی تمام لڑائیوں میں جن سے عرب جیسی جنگجو قوم مسخر ہوئی، طرفین کے جانی نقصان کی تعداد بارہ سو سے زیادہ نہیں ہے۔ انقلاب کی تاریخ اگر آپ کے پیش نظر ہے تو آپ کو تسلیم کرنا ہوگا کہ یہ انقلاب غیر خونی انقلاب کہے جانے کا مستحق ہے''۔

اس پس منظر میں پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز نے علمائے کرام کو راہنمائی کے لئے مدعو کیا تا کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک واضح نقطۂ نظر پیش کریں۔

اس سلسلے میں کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں مباحث کے چار ادوار ہوئے۔ یہ کتاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انہی مباحث اور مکالموں پر مشتمل ہے۔ پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز تمام علمائے کرام اور طلباء کی بھرپور شرکت پر مشکور ہے اور توقع ہے کہ ان کی یہ گفتگو اس موضوع پر چھائی دھند کو صاف کرنے میں مدد دے گی اور آئندہ مباحث کے لئے اہم بنیاد فراہم کرے گی۔ اس کتاب کی ترتیب اور تدوین میں برادرم سجاد اظہر نے جس تن دہی اور محنت سے کام کیا ادارہ اس پر سپاس گزار ہے۔

محمد عامر رانا

ڈائریکٹر

پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز اسلام آباد

16 نومبر 2014

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکالمہ اوّل

بمقام: کراچی

بتاریخ: 17 مئی 2014

میزبان: محمد عامر رانا، ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

صدارت: مفتی منیب الرحمن، چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی وصدر تنظیم المدارس پاکستان

شرکائے گفتگو:

مولانا محمد سلفی، پرنسپل جامعہ ستاریہ کراچی

پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج، ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز، جامعہ کراچی

پروفیسر سید شاہد ہاشمی، ڈائریکٹر اسلامک ریسرچ اکیڈمی

علامہ اکبر حسین زاہدی، وائس پرنسپل جامعہ الصادق کوئٹہ

مولانا سیف اللہ ربانی، مدرس جامعہ بنوریہ عالمیہ ومنتظم اعلیٰ وفاق المساجد پاکستان

مولانا محمد شفیع چترالی، مذہبی سکالر وکالم نگار روزنامہ اسلام

مولانا عبدالحق ہاشمی، مرکزی رہنما جماعت اسلامی بلوچستان ومشیر وفاقی شرعی عدالت

ڈاکٹر اعجاز صمدانی، پروفیسر ومفتی جامعہ دارالعلوم کراچی

علامہ عبدالخالق آفریدی، ڈائریکٹر جنرل شبان الغرباء اہل حدیث

پروفیسر مرزا عامر بیگ، ڈائریکٹر الصفہ اکیڈمی کراچی

مولانا سید احمد بنوری، مدرس جامعہ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

مولانا اعجاز حیدر مظہری، ریسرچ سکالر الزہرہ اکیڈمی

مولانا کاشف شیخ، پرنسپل مدرسۃ الانصار کراچی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کراچی میں منعقدہ مباحثے کے شرکاء

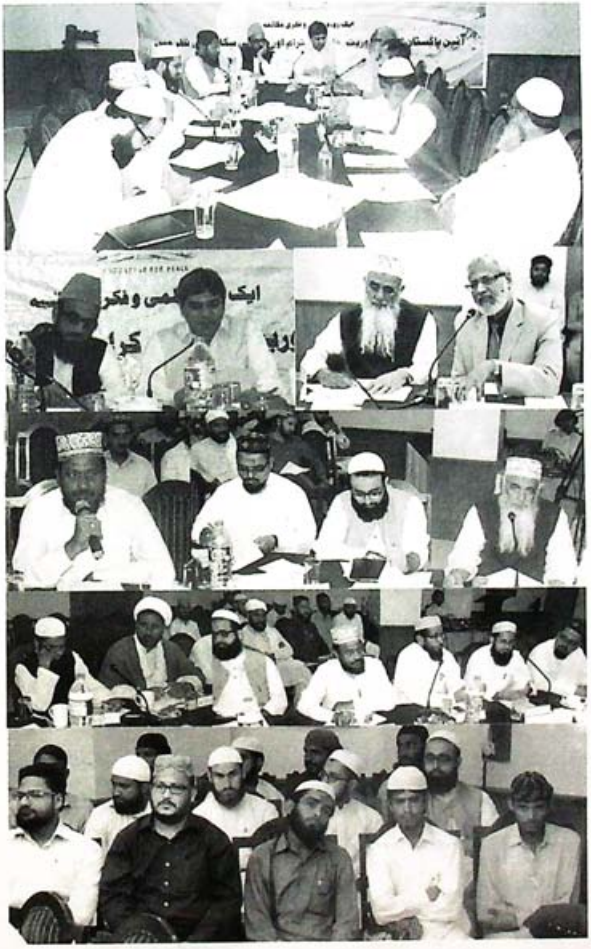

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

محمد عامر رانا، میزبان

ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

آج کے مکالمے کا مقصد یہ ہے کہ معزز علمائے کرام کی رائے معلوم کریں کہ پاکستان میں آئین اور جمہوریت کے حوالے سے جو بحث چل رہی ہے اس پر ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔

صدارتی کلمات

مفتی منیب الرحمٰن

چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی و صدر تنظیم المدارس پاکستان

جمہوریت کے لئے انگریز میں دو لفظ استعمال ہوتے ہیں Republic اور Democracy، میں ایک مرتبہ امریکہ ایک مکالمے شریک ہوا تو ان کے صدارتی امیدوار سینیٹر گیری ہارٹ جن پر کسی معاشقے کا الزام لگا اور وہ مقابلے سے ساقط ہو گئے تھے، انھوں نے ایک کتاب لکھی تھی جس کا تعارف وہ ہارورڈ یونیورسٹی میں کرانا چاہتے تھے۔ انھوں نے کہا کہ ریپبلک تو یہ ہے کہ ہر فرد خود بولے، ہر ایک کی رائے آئے یہ کسی سو پانچ سو کے گروہ میں تو ہو سکتی ہے لیکن کروڑوں کی آبادی پر مشتمل کسی ملک یا خطے میں نہیں ہو سکتی، انھوں نے کہا ڈیموکریسی کا مطلب یہ ہے کہ عوام اپنے نمائندوں کے ذریعے بولیں جس طرح امریکہ میں کانگریس ہے، ہمارے ہاں پارلیمنٹ ہے۔ میرے نزدیک لفظ جمہوریہ کی رو سے خالصتاً کاملاً جمہوریتیں ممکن نہیں ہیں۔ کیونکہ جو بات تجربات سے ہمارے سامنے ہے کہ اگر کسی ملک میں دس کروڑ ووٹ ہیں تو زیادہ سے زیادہ کاسٹنگ ووٹ چھ کروڑ ہوں گے۔ کہیں اتفاقاً سات، آٹھ کروڑ بھی پڑ سکتے ہیں، اور اگر آٹھ دس امیدوار تھے تو یہ ووٹ ان میں تقسیم ہو گیا، فرض کریں کہ کسی نے اتفاقاً 25 فیصد ووٹ لئے اور وہ جیت بھی گیا تو اس کو نمائندہ تو سو میں سے 25 نے بنایا۔ فرض کر لیتے ہیں کہ وہ سو فیصد کا نمائندہ ہے تو عملاً اس کے پیچھے سو فیصد کی مرضی یا رائے شامل نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی وہ اس جدید جمہوریت میں جسے ہم برت رہے ہیں سو فیصد کی تقدیر کا مالک ہو جاتا ہے۔ اس لئے میری رائے میں حقیقی اور خالصتاً جمہوریت کا مظہر آج تک روئے زمین پر نہیں۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ جمہوریت کے ذریعے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام آسکتا ہے یا نہیں؟ جمہوریت اپنی جبلت، فطرت اور ساخت کے اعتبار سے سیکولر ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جمہور جو بولیں گے جب وہ حق قرار پائے گا، ایسی جمہوریت میں جس نے دس قتل کئے ہوئے ہوں اور وہ رجسٹرڈ ووٹر ہو خواہ وہ جیل میں بھی ہو، تو اس کے ووٹ کی قیمت اور ہمارے ڈین ڈاکٹر شکیل اوج صاحب کے ووٹ کی قیمت ایک ہے، مطلقاً اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر معاشرے میں خیر غالب ہو تو شاید مجموعی نتیجہ خیر کی صورت میں آجائے اور اگر شر غالب ہو تو شر بھی قانون بن جائے گا۔ اس کو پاکستان کے تناظر میں دیکھیں تو پاکستان میں خیر کو غلبہ کا ملہ واکثر یہ نصیب نہیں ہوا۔ مجھے تو ابھی دور دور تک امکان بھی نظر نہیں آتا۔ ایسی جمہوریہ جس میں ہمارے صدر پرویز مشرف نے ساٹھ عورتیں بھی زبردستی ڈال دی ہوں اور یہ اللہ والے سارے اس پارلیمنٹ میں موجود تھے۔ اب ان ساٹھ بیگمات کو جو بیوٹی پارلر سے ہو کر آتی ہیں ان کو تو آپ پارلیمنٹ سے نکال نہیں سکتے۔ پہلے یہ کہا گیا کہ غیر مسلم ووٹروں کی لسٹ الگ ہوتا کہ وہ اپنے نمائندے اپنی مرضی سے بنائیں خود غیر مسلموں نے کہا کہ اس سے تو ہم دوسرے درجے کے شہری ہو گئے۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے نمائندے نے مجھے یہ کہا۔ میں نے جواب دیا آپ بعد میں کہتے ہیں کہ ہمیں ریزرو سیٹیں دو انھوں نے کہا کہ ہم نہیں مطالبہ کرتے اس کے بعد جداگانہ انتخاب ختم ہوا اور مشترکہ انتخاب لایا گیا۔ مشرف نے پھر اقلیتوں کے لئے سیٹیں رکھ دیں۔ لہٰذا اب مسئلہ یہ ہے کہ اگر ایک چیز کے اسلامی یا شرعی ہونے کے بارے میں بحث ہو رہی ہو اور فرض کریں کہ ہماری اس وقت کی اسمبلی 342 اراکین پر مشتمل ہے اور 172 سادہ اکثریت بنتی ہے۔ اگر ایک جانب مسلمان جو اسلام کو لانا چاہتے ہیں ان کے پاس 160 ووٹ ہیں اور اگر 20 غیر مسلم دوسری طرف ہو جاتے ہیں تو وہ جو فیصلہ کریں گے وہ اسلام قرار پائے گا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ یہ کیسا اسلام ہے جس کا فیصلہ ان لوگوں نے اپنی اکثریت کی بنیاد پر کرنا ہے؟ لہٰذا کسی حد تک ہمارا آئین اپنے روایتی عہد کے اعتبار سے تھوڑا بہت اسلامی ہے کہ اس کے سہارے سے کوئی پریشر ڈال کر کچھ امکانات پیدا کئے جا سکتے ہیں ورنہ حقیقت میں اس آئین اور نظام کے ذریعے اسلام کا غالب آنا عملاً بہت مشکل ہے۔ قومی اسمبلی میں ہماری سیٹیں 217 تھیں لیکن جب جاگیرداروں کی اپنی سیٹیں کم ہونا شروع ہوئیں تو انھوں نے سوچا کہ سیٹیں بھی پھیلا دو تا کہ جاگیر کے اندر ہماری سیٹ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نکلتی رہے۔ جبکہ انڈیا جو کہ 120 کروڑ کی آبادی ہے، اُس کی 545 سیٹیں ہیں۔ ہندوستان بننے کے بعد سے جتنی تھیں آج تک وہی ہیں، اس کی آبادی ہم سے چھ گنا ہے۔ ہم اسلام کے ساتھ بھی اور جمہوریت کے ساتھ بھی ڈرامہ کرتے ہیں۔ اس لئے ہماری ساری بحثیں نظری ہوتی ہیں ان کے حقیقی اثرات مرتب نہیں ہوتے لیکن آپ صاحبان علم ہیں امید ہے کہ آپ کی کوشش سے پردۂ غیب سے کوئی امید کی کوئی کرن نظر آجائے جس سے ہم استفادہ کرلیں۔

محمد عامر رانا، میزبان

ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

مفتی صاحب آپ نے بہت اہم نکات کی طرف اشارہ کیا۔ ان ایشوز پر اور جمہوری نظام کی خامیوں پر مغرب کے مشہور دانشور بھی اشارہ کرتے ہیں کہ جمہوریت کوئی مثالی نظام نہیں ہے لیکن ابھی تک اس سے بہتر نظام یا اس کا متبادل بھی موجود نہیں ہے۔ یہ ایک رائے ہے اس پر بھی بات ہوسکتی ہے۔ جو اعتراضات مفتی صاحب نے یہاں پر اٹھائے اس سے بھی زیادہ شدید وہاں اٹھائے جاتے رہے ہیں اور صدیوں سے یہ بحث جاری ہے۔ عالم اسلام کے چند ممالک میں کچھ پیش رفت ہورہی ہے۔ ہم تیونس کی مثال دیکھ سکتے ہیں کہ وہاں پر ابھی آئین سازی کا عمل مکمل ہوا ہے کہ وہ کس طریقے سے ہوا اور معاشرے کے مختلف طبقات نے مل کر اس کو کیسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ یمن کے اندر عرب سپرنگ کے بعد جو ایک قومی مکالمہ چل رہا ہے جس میں علمائے کرام وہاں کے اکابرین، وہاں کے قبائلی سردار، وہاں کی سول سوسائٹی، مقتدر طبقات سب مل کر مسلسل ایک سال سے کوشش میں ہیں کہ ایک متفقہ آئین، ایک ایسا چارٹر بنانے میں کامیاب ہو جائیں جس کی رہنمائی میں وہ ادارہ سازی کا کام کرسکیں۔ اور یقیناً یمن کے اندر ویسے ہی سوالات اٹھ رہے ہی جو ہم نے یہاں بھی اٹھائے ہیں، یہ تمام سوالات وہاں پر بھی زیر بحث آرہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا محمد سلفی

پرنسپل، جامعہ ستاریہ کراچی

دستور پاکستان کے ناطے ہم سب کو علم ہے کہ اس ملک میں کوئی ایسا قانون نہیں بنے گا جو کتاب وسنت کے منافی ہو۔ اگر کوئی ایسا قانون بن بھی گیا تو وہ کالعدم ہو جائے گا اس لئے کہ دستور میں یہ بات لکھی جا چکی ہے کہ یہاں کا اقتدار اعلیٰ ذات باری تعالیٰ ہے۔ یہ ایک بہت بڑی ڈھارس ہے نہ صرف اہلِ پاکستان کے لئے بلکہ سارے جہاں کے مسلمانوں کے لئے بھی کہ پاکستان کے قانون میں اس بات کو تحریری طور پر پاس کرایا گیا کہ اس ملک کا دستور کتاب وسنت کے مطابق ہوگا۔ یہ بات الگ ہے کہ ہمارے قوانین میں لکھا ہوا ہے کہ ہر شہری کو بنیادی سہولیات میسر ہوں گی، 16 سال سے کم عمر بچوں سے مزدوری نہیں لی جائے گی، ہر شہری کو سستا انصاف میسر ہوگا، لوگوں کے معیار زندگی کو بلند کرنے کے لئے کام کیا جائے گا، روٹی، کپڑا مکان ریاست کی ذمہ داری ہوگی۔ آرٹیکل 63 کے تحت جس نے قرض لیا ہو یا نادہندہ ہو اور ٹیکس ادا نہ کرتا ہو وہ پالیمنٹ کا ممبر نہیں بن سکتا۔ تفصیل میں جانے کی اس لئے ضرورت نہیں کہ دیگ سے ایک چاول نکال کر پتہ لگ جاتا ہے کہ دیگ پکی ہے یا نہیں، بالکل اس طرح ہمارے ملک میں دستور پاکستان کے نام سے جو کتابچہ موجود ہے اس میں بہت ساری اچھائیاں ہیں کچھ خامیاں بھی ہو سکتی ہیں سوال یہ کہ اس پر عمل کس حد تک کیا جاتا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج

ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز جامعہ کراچی

ہمارے آئین میں یہ بات درج ہے کہ قرآن وسنت کے منافی کوئی قانون نہیں بن سکتا۔ یہ ایک بڑی کامیابی ہے اتنا بڑا آپشن عوام کو دے دیا گیا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ اس آئین کے تحت بننے والے قوانین جن کو ہم قانون موضوعہ کہتے ہیں وہ قانون قرآن وسنت کے مطابق ہیں یا نہیں۔ اور اگر نہیں ہیں تو کتنے لوگوں نے ان کو اب تک عدالتوں میں چیلنج کیا ہے۔ اگر اس چیلنج کو کوئی قبول نہیں کر رہا اور صرف آئین کو برا بھلا کہہ رہا ہے تو قصور جمہوریت کا نہیں بلکہ عوام کا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت کو ہم دو اعتبار سے تقسیم کر سکتے ہیں ایک وہ جس کے ڈانڈے اسلام سے مل جائیں گے اور دوسری مغربی طرز کی ہے۔ مغربی جمہوریت کے تحت 51 گدھے 49 گھوڑوں کے حکمران بن سکتے ہیں۔ یہ نظام اہلیت اور نظام صالحیت کے بھی خلاف ہے۔ میرا مطمئہ نظر یہ ہے کہ جو بھی حکومت اللہ کی مرضی سے قائم ہوتی ہے وہ مطلوب بھی ہے اور صحیح بھی، اور جو انسانوں کی مرضی سے قائم ہوتی ہے وہ حکومت سیکولر ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ قرآن کریم جو مسلمانوں کی زندگی کی ایک بنیادی کتاب ہے جس سے مسلمان کا تعلق اتنا بنیادی ہے کہ اگر کسی لمحے وہ بے تعلق ہو جائے تو شاید اس کا اسلام انتقال کر جائے۔ مگر المیہ یہ ہے کہ اس کتاب سے مسلمانوں کا تعلق ختم ہو چکا ہے، مردم شماری ہو تو بے شمار اور اگر مردم شناسی ہو تو دو چار۔ قرآن کریم کو جاننے والے لوگ اب برائے نام رہ گئے ہیں۔ جو علم قرآن سے حاصل ہوتا ہے اس علم سے حکومت فیصلہ کرتی ہے۔ کتاب الٰہی کا وارث ان تمام لوگوں کو بنایا گیا ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے بعد تھیوکریسی کے تصور کی گنجائش ختم ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں اگر کوئی قرآن کے مطابق آئین سازی کی بات کرے اور لوگ اس کو ملائیت سے تعبیر کر کے زندگی سے عملاً نکال کر پھینکنے کی بات کریں تو یہ قابلِ افسوس بات ہی ہوگی۔ باقی جس تعبیر کا تعلق قرآن سے نہ ہو انسانی فہم سے ہو اس سے اختلاف ہو سکتا ہے۔ اسلام میں تو یہ ہے کہ سیدنا فاروق اعظمؓ جیسا خلیفۂ وقت جب وہ یہ قانون نافذ کرنا چاہتا ہے کہ اب مہر کی کم سے کم مقدار اتنی ہونی چاہئے تو ایک خاتون کھڑی ہو کر کہتی ہیں کہ آپ کون ہوتے ہیں اس کا تعین کرنے والے؟ اللہ نے جب ہمیں اجازت دی ہے تو آپ کون ہوتے ہیں روکنے والے، جس پر خلیفۂ وقت فوراً سرنڈر ہو جاتا ہے۔ اب اگر ہمارے حکمرانوں کے سامنے قرآن کی دلیل استعمال کی جائے تو کیا وہ سرنڈر ہو جائے گا، سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ ہمارے عالم کو بھی اگر کوئی دوسری رائے دے دی جائے تو یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ اپنی رائے سے ہٹ جائے۔ وہ اپنا وکیل بن جائے گا کمزور سے کمزور دلائل لائے گا۔ چاروں طرف سے اپنے حمایتی اکٹھے کر لے گا۔ جو کام عالم کر رہا ہے وہی حکمران کر رہا ہے۔ دونوں کے دونوں سیاست کر رہے ہیں۔ اصل دینِ اسلام تو قرآنِ کریم کے اندر ہے وہاں سے کشید کر کے جب آپ اپنے قوانین پر لاگو کریں گے تو ایک مختلف قسم کا معاشرہ اور انسان وجود میں آئے گا۔ اسلام انا کو پسند نہیں کرتا وہ ایک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظم قائم کرنا چاہتا ہے نظم قائم کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو۔ جب اس نظام کو چلانے والا ٹھیک ہوتا ہے تو اس کی اطاعت بھی فرض ہے۔ اس کی کونسل بھی ''اولی الامر'' میں آتی ہے۔ قرآن کریم نے ہم کو ''اولی الامر'' کا پابند کر دیا ہے۔ اس کے بعد کہا کہ اگر تمہارا تنازعہ ''اولی الامر'' سے ہو جائے تو تم اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹ کر آ جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو اختلاف ہوا وہ ہوا ہی ''اولی الامر'' سے، ''اولی الامر'' غیر نبی کے سوا جو بھی ہوگا وہ ''اولی الامر'' میں ہی آئے گا حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسا خلیفہ، جب پہلی بار حکومت نبی سے غیر نبی میں منتقل ہوئی تو وہ مسلمانوں کے ''اولی الامر'' بنے۔ قرآن کریم کی رو سے اس بھی اختلاف ممکن تھا اور لوگوں نے اختلاف کیا بھی۔ اختلاف کرنے والے غیر مسلم نہیں ہو گئے۔ اسلامی قانون کے اندر قانون بدل نہیں سکتا۔ لیکن جمہوریت میں اکثریت سے قوانین بدل جاتے ہیں فیصلے میرٹ کی بنیاد پر ہونے چاہئیں نہ کہ کثرتِ رائے کی بناء پر۔

مولانا محمد شفیع چترالی

مذہبی سکالر و کالم نگار روزنامہ اسلام

جب بات مغربی طرزِ حکومت کی ہوتی ہے تو جمہوریت کو ایک مسلمہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ اسلام کو جمہوریت کی عدالت میں پیش کر دیا جاتا ہے یعنی جمہوریت عالمی سطح پر تسلیم شدہ ہے اب اسلام اس کے مطابق چل سکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام نظام حیات ہے۔ جمہوریت کو زیادہ سے زیادہ ہم نظام حکومت کہہ سکتے ہیں۔ جمہوریت کا جو سب سے بڑا فائدہ سامنے آیا ہے جس کی وجہ سے دنیا اس کو قبول کرتی ہے وہ پرامن انتقال اقتدار ہے۔ لیکن یہ نظام حکومت ہے نظام حیات نہیں۔ اجتماعی زندگی کی اخلاقیات پر جمہوریت کے پاس کوئی رہنمائی نہیں، جمہوریت بذات خود کوئی دلیل نہیں ہے ایک بات دو لوگ کر رہے ہیں اور ایک بات ایک بندہ کر رہا ہے اس لئے دو بندوں کی بات تسلیم کر لی جائے۔ یہ بات علمی لحاظ سے درست معلوم نہیں ہوتی۔ سقراط کو زہر کا پیالہ اسی لئے پینا پڑا تھا کہ ان سے کہا گیا کہ جمہور غلط نہیں ہو سکتا۔ بادشاہ اور سارے طبقات ایک بات کر رہے ہیں اور تم اس کے خلاف بات کرتے ہو۔ یہ گویا کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت ہے، جمہوریت خیر اور شر کے معیارات متعین نہیں کر سکتی۔ کیا چیز صحیح ہے کیا غلط، کیا پاک ہے کیا ناپاک، کیا حلال ہے کیا احرام، ان معیارات کا تعین کرنا جمہوریت کے بس میں نہیں اس لئے میرے خیال میں جمہوریت ایک جزو ہے اور اسلام ایک کُل ہے۔ کچھ چیزوں میں اسلام اور جمہوریت کے درمیان مادہ اجتماع پایا جاتا ہے مثال کے طور پر اگر جمہوریت اجتماعی دانش سے فیصلے کرنے کا نام ہے تو یہ اسلام کے لئے کوئی نئی بات نہیں، قرآن نے دو لفظوں میں کہہ دیا کہ مسلمانوں کے معاملات ان کی اجتماعی دانش سے طے ہوں گے۔ اب اس معاملے میں مادہ افتراق کیا ہے۔ جمہوریت اجتماعی دانش اور اجتماعی خواہش میں فرق نہیں کرتی ایک مجموعہ ایک خواہش کا اظہار کر رہا ہے تو وہ قانون بن جاتا ہے جبکہ اسلام کہتا ہے کہ اجتماعی خواہش کوئی دلیل نہیں ہے۔ اجتماعی دانش کو آپ دلیل بنا سکتے ہیں۔ لہٰذا اجتماعی دانش سے فیصلے کرنے کا نام اگر جمہوریت ہے تو اسلام کے لئے یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ جمہوریت اگر حریت فکر کا نام ہے تو یہ بھی ہمارے لئے کوئی نئی بات نہیں ہے۔ خود نبی کریمؐ کی سیرت میں ایک بات سامنے آتی ہے کہ ایک صحابیہ کو آپ مشورہ دیتے ہیں کہ اپنے شوہر کے ساتھ رہیں تو وہ اللہ کے نبی کے سامنے کھڑے ہو کر کہتی ہے کہ اگر یہ آپ کا حکم ہے تو سر آنکھوں پر لیکن اگر آپ کا مشورہ ہے تو میں اس کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ اتنا شعور اور اتنی حریتِ فکر جو اسلام میں دی گئی ہے۔ جمہوریت خواتین اور اقلیتوں کے حقوق کا نام ہے تو اسلام نے یہ حقوق 14 سو سال پہلے متعین کر دیئے ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پاکستان میں جمہوریت کے ساتھ مسئلہ کیا ہے؟ پاکستان میں نظام حکومت کا سربراہ وزیراعظم کہلاتا ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ پھر بادشاہ کون ہے۔ وزیراعظم کا مطلب ہے کہ بڑا وزیر، وزیر تو بادشاہ کا ہوتا ہے پھر بادشاہ کون ہے؟ ویسے تو ہم نے آئین میں لکھا ہوا ہے کہ مقتدر اعلیٰ، اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن دولتِ مشترکہ کے ممالک میں حکومت کا سربراہ وزیراعظم کہلاتا ہے اور بادشاہت کی کرسی سلطنت برطانیہ کیلئے خالی رکھی گئی ہے۔ 1998 میں جب وہ یہاں آئی تھیں تو ہمارے سپیکر صاحب نے اس بات کا اظہار، عقیدت کے ساتھ کیا کہ ہم آج بھی آپ کے غلام ہیں۔ پاکستان میں جمہوریت کی ناکامی کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے کہ 67 سال گزرنے کے باوجود ہم آج بھی برطانیہ کے غلام ہیں۔ برطانیہ کے زرعی قوانین جو وہاں کے سرد موسم سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطابقت رکھتے ہیں اگر ہم یہاں پاکستان میں وہی زرعی قوانین نافذ کریں گے تو کیا وہ چل سکتے ہیں۔ برطانوی طرز کی جمہوریت کو یہاں مسلط کیا گیا اس فرق کے باوجود کہ وہاں پر ایک فرد کا ایک ووٹ ہے۔ اس بات سے قطعہ نظر کرتے ہوئے کہ وہاں پر بندہ آزاد ہے لیکن یہاں پر جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں ایک مخصوص طبقہ آپ کے اوپر مسلط ہے۔ اس طبقے کے ہوتے ہوئے، مغربی جمہوریت یا برطانوی نظام سے اسلام کی توقع رکھنا خام خیالی ہوگی۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کا متبادل کیا ہے؟ میری رائے یہ ہے کہ اسلام کے پاس خلافت کا پورا ایک نظام موجود ہے۔ آج دنیا جغرافیائی اعتبار سے ممالک میں تقسیم ہو چکی ہے اگر خلافت قائم نہیں ہوتی تو ہمارے پاس بہتر راستہ صدارتی نظام ہو سکتا ہے جو شاید پارلیمانی نظام سے بہتر ہو۔ مصر کے اندر صدارتی نظام کے تحت ایک حکومت قائم ہوئی لیکن اس کو کس طریقے سے ناکام کیا گیا، جمہوریت کی ناکامی کی وجہ جہاں داخلی ہے وہاں عالمی طرزِ عمل بھی ہے۔ برصغیر کے اندر 1915ء میں تحریک ریشمی رومال ناکام ہوئی اس کے بعد 1919 میں جمعیت علمائے ہند بنی۔ اس سے پہلے بھی دینی طبقات نے جمہوریت کو قبول کیا ہوا تھا لیکن 1919 کے بعد علماء کے طبقے نے بھی جمہوریت کو قبول کر لیا۔ انتخابات میں حصے لئے جا رہے ہیں اور جمہوریت کو چلایا جا رہا ہے۔ آج سو سال گزرنے کے باوجود اس جمہوریت نے ہمیں کچھ نہیں دیا اس کی وجہ سے آج جو سوالات اٹھ رہے ہیں جو بغاوتیں اور سرکشیاں ہو رہی ہیں اس کی وجہ مایوسی ہے۔ میں نے اس کے داخلی اور خارجی اسباب بیان کئے۔ خارجی اسباب کیا ہیں؟ ہمیں یہ تاثر مل رہا ہے کہ اسلام کو جمہوریت سے مسئلہ ہے لیکن ہمارا تاثر یہ ہے کہ جمہوریت کو اسلام سے کوئی مسئلہ ہے۔ اس لئے کہ مصر کے اندر غالب اکثریت کے ساتھ ایک جمہوری حکومت قائم ہو جاتی ہے اس میں پی ایچ ڈی اور اپنے اپنے شعبوں کے ماہرین پارلیمنٹ میں آتے ہیں اور صدر کا انتخاب کرتے ہیں لیکن ایک سال کے اندر اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ تیونس میں بھی ایک اسلامی حکومت قائم ہوئی تھی لیکن اس کے خلاف کس طریقے سے محاذ بنایا گیا۔ غزہ کے اندر حماس کی اسلامی حکومت قائم ہو تو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ خود آپ کے پاکستان کے اندر ایک صوبے میں حسبہ بل منظور ہوتا ہے تو اس کو قبول نہیں کیا جاتا۔ میرے خیال میں مسئلہ یہ نہیں کہ اسلام کو جمہوریت سے کوئی مسئلہ ہے آج مسئلہ یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے کہ جمہوریت، اسلام کو اپنے لئے ایک مسئلہ سمجھتی ہے۔

علامہ اکبر حسین زاہدی

وائس پرنسپل جامعہ الصادق کوئٹہ

پاکستان 1947 میں معرضِ وجود میں آیا۔ یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ ایک خطے کو دوسرے خطے سے جدا کرنا بہت آسان ہے لیکن اس خطے کو بعنوان ریاست کوئی اچھا آئین و قانون دینا سب سے مشکل کام ہے۔ ہماری یہ بدقسمتی تھی کہ 1948 میں جب قائداعظم کا انتقال ہوا تو ان کے بعد وہ خطبات ہی متنازعہ قرار پائے کہ قائداعظم کس طرح کا پاکستان بنانا چاہتے تھے۔ کیا وہ مسلمانوں کے لئے ایک جدید ریاست کا قیام چاہتے تھے یا وہ اسلامی ریاست قائم کرنا چاہتے تھے۔ 1947 سے آج تک ہمارے علماء اور دانشور یہ طے نہیں کر سکے کہ پاکستانی ریاست کا مطلب کیا تھا۔ کیا پاکستانی ریاست کا مطلب لا الہ الا اللہ تھا یا پاکستانی ریاست کا مطلب روٹی کپڑا اور مکان تھا۔ اس مسئلے پر ہمارے مذہبی اور غیر مذہبی طبقات میں اختلاف ہی نہیں بلکہ تضاد پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک طبقے کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان لا الہ اللہ کے لئے وجود میں آیا جبکہ دوسرے طبقے کا کہنا ہے کہ پاکستان مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لئے وجود میں لایا گیا۔ جب تک یہ طے نہیں ہوگا کہ پاکستان کا مطلب کیا ہے۔ تضاد گہرے سے گہرا ہوتا چلا جائے گا۔ فقہ میں ایک چیز تدلیس معاشقہ کے نام سے ہے، یعنی ایک 70 سالہ خاتون بیوٹی پارلر میں جاتی ہے، 18 سالہ لڑکی بن کر نکلتی ہے اور کسی کو دھوکے میں ڈال دیتی ہے تو آیا اس کا نکاح درست ہے یا نہیں۔ ہماری مثال بھی یہی ہے بنیادی چیزوں کی جانب ہماری نظر کبھی جاتی ہی نہیں ہے ہم بناؤ سنگھار کو دیکھتے ہیں۔ پاکستان کے اندر مسلمانوں کی آبادی 98 فیصد ہے۔ کوئی بھی مسلمان اس بات سے انکار نہیں کرے گا کہ یہاں حاکمیتِ اعلیٰ خداوند کریم کو حاصل ہے اس وقت لوگ اسلامی آئین و قانون سے بھی دور بھاگتے جارہے ہیں۔ اور متنفر ہو رہے ہیں اس کی بنیادی وجہ کیا ہے۔ علماء کا پاکستان بنانے میں بڑا کردار تھا لیکن اس کے بعد آئین سازی میں انھوں نے کردار ادا نہیں کیا۔ بلکہ دوسرے سیاستدانوں کی طرح ہمارے علماء بھی صرف اور صرف اقتدار کے پیچھے چلے گئے تاکہ کسی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نہ کسی طرح اقتدار ہمارے ہاتھ لگ جائے۔آپ کو ہر سطح پر بدعنوانی نظر آئے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم علماء نے اپنی ذمہ داری کا حق ادا نہیں کیا۔اگر ہم ذمہ داریوں کو ادا کرتے تو کم از کم معاشرے کو اچھے حکمران عطا کرتے۔مثال کے طور پر مسجد کے اندر ہر طبقۂ فکر آتا ہے ہماری وعظ و نصیحت بھی سنتا ہے اگر ہم صحیح وعظ کرتے تو ہمارے پیچھے نماز پڑھنے والے اتنا کرتے کہ ملاوٹ نہ کرتے جھوٹ نہ بولتے کسی ایسے شخص کو ہمیں ووٹ نہیں دینا چاہئے جو شراب پیتا ہو۔لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ہم اس طرح کی چیزیں کیوں نہیں کہتے اور اگر کہتے ہیں تو پھر ہماری باتوں کا اثر کیوں نہیں ہوتا۔لہٰذا جمہوریت، آمریت اور بادشاہت دنیا کے مختلف ملکوں میں لاگو ہیں۔آپ بادشاہت والے ممالک میں سروے کرلیں وہاں لوگ خوش ملیں گے۔جہاں پر آمریت ہے وہاں پر بھی اچھی فضا پائی جاتی ہے۔لیکن پاکستان میں کوئی نظام نہیں چل پا رہا، جمہوریت کے نام پر لوٹ مار جاری ہے۔یقیناً آمریت کے مقابلے پر جمہوریت بہترین نظام ہے لیکن جمہوریت کو ہم کسی طور پر اسلام کے مقابل ایک ضابطۂ حیات قرار نہیں دے سکتے۔ہمارے علماء کو دیکھنا چاہئے کہ ترجیحی بنیادوں پر کام کہاں سے شروع کریں۔

محمد عامر رانا، میزبان

ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

ڈاکٹر شکیل اوج صاحب! آپ نے ذکر کیا تھا کہ ایک پارٹی کا نظام نسبتاً بہتر ہوسکتا ہے لیکن اس حوالے سے جو اگلا سوال بنتا ہے کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی کا تصور اور اس میں عوام کی شرکت کیسے ہوسکتی ہے؟

پروفیسر ڈاکٹر شکیل اوج

ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز جامعہ کراچی

میں یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ ہمارے ہاں پارٹی سسٹم اقتدار کی رسہ کشی کے گرد گھومتا ہے۔اس طرح چوں چوں کا مربہ جب پارلیمنٹ میں آکر بیٹھتا ہے اور ایک دوسرے کے لئے بیساکھی بن رہا ہوتا ہے تو پھر وہ ایک دوسرے کے مفادات کا خیال بھی کر رہا ہوتا ہے۔اب کون سی اہلیت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کون سا اسلام۔قرآن کریم نے ہمیں ایک اصول دے دیا کہ اگر ہمارے ہاں کسی سے معاونت ہو گی تو اس کی ایک بنیاد ہوگی اور اگر کسی سے عدم تعاون ہوگا تو اس کی بھی ایک بنیاد ہوگی اس بنیاد پر پارٹیوں کو دیکھنا ہوگا۔میں نے کہا تھا کہ اگر نواز شریف ایک بات کہہ دے تو اس کی پارٹی کے تمام افراد اس کے وکیل بن جائیں گے یہی حال زرداری صاحب اور دوسرے افراد کی پارٹیوں کا ہے۔ میرٹ کا قتل تو پہلے دن سے ہی شروع ہو جاتا ہے ہم جب اسلام کی بات کر رہے ہوتے ہیں تو مجھے ہنسی آرہی ہوتی ہے کہ قرآن کریم نے ہمیں جو اصول معاونت دیا ہے اس کی بنیاد پر ہی سارے معاملات کو آگے بڑھنا تھا اور وہی اصولِ معاونت قومیت کی بنیاد ہوں گے۔ایک قوم وہ ہوگی جس کی بنیاد میرٹ پر ہوگی اور ایک قوم وہ ہوگی جو ڈی میرٹس کی ہوگی۔میرٹ قائم وہیں ہوگا جب ساری پارٹیاں اس بات پر اتحاد کرلیں کہ ہم اپنا نہ مسلک دیکھیں گی نہ مذہب، نہ زبان دیکھیں گی نہ علاقہ، نہ صوبہ، جو بات قانون دستور کی ہے اور اسلام کے مطابق ہے، یہ بات کہنے والے اب ملک میں لوگ نہیں ہیں یہ ایک المیہ ہے۔

مولانا محمد سلفی

پرنسپل جامعہ ستاریہ کراچی

رانا صاحب کے سوال اور ڈاکٹر شکیل اوج کے جواب کے درمیان ایک بات رہ گئی ہے کہ یہاں ایک یا دو پارٹیوں کا سوال نہیں بلکہ مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے معاملات چلانے اور سمجھانے کے لئے جو حکومت یا پارٹی اقتدار میں ہے، اس کی ذمہ داری ہے کہ ملک وقوم کی فلاح و بہبود کے لئے کام کرے۔لہٰذا ہم کو موجودہ پارٹی یا حکومت کے ساتھ مل کر ملک اور قوم کی فلاح کے لئے کام کرنے کے لئے اتفاق رائے پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

طلباء کے سوالات:۔

سوال:۔

طارق سلیمان، متعلم کراچی یونیورسٹی

کیا اسلام کا یہ قانونی تصور کہ اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ خدا کی ذات ہے اور تمام قوانین رب کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جانب سے نازل کئے گئے ہیں کیا یہ بات پاکستان کے جمہوری نظام اور آئین کو اسلامی قرار دیتی ہے؟ اسلامی قوانین کی روشنی میں پاکستان کی آئین کی صورت کیا ہے؟

جواب:۔

مولانا اکبر حسین زاہدی، وائس پرنسپل جامعہ الصادق کوئٹہ

اگر نظری اعتبار سے دیکھیں تو پاکستان کا آئین بہت واضح الفاظ میں اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ قرآن وسنت کی بالا دستی ہوگی اور اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ خداوند کریم کی ذات ہوگی اور یہاں کوئی قانون قرآن وسنت کے منافی نہیں ہوگا اس اعتبار سے اس کو غیر اسلامی تو نہیں کہا جاسکتا ہے البتہ مقررین حضرات نے اس جانب اشارہ کیا کہ اصل معاملہ عمل درآمد کا ہے جہاں اقتدار اعلیٰ خدا کو حاصل ہو وہاں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی فراہمی کی ضمانت ہوتی ہے۔ ایک اسلامی ریاست اور سیکولر ریاست میں بنیادی فرق یہی ہے کہ اسلامی ریاست میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ اس تناظر میں اگر ہم دیکھیں تو اس کا جواب اپنی ریاست میں نفی میں ملتا ہے۔ لیکن ہمارے ملک میں جو نظام قائم ہے اس میں کوئی بھی چیز نتیجہ خیز دکھائی نہیں دیتی لہٰذا ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ بہتر افراد آگے لاسکیں ہمارے مدرسوں اور سکولوں میں اچھے لوگ تیار ہو کر آئیں۔ اسلام میں ساری مشکلات کا حل موجود ہے مگر ہمارے پاس اچھے افراد نہیں ہیں جو ہمیں اچھے راستے کی جانب لے کر جاسکیں۔

سوال:۔

عبدالباسط متعلم جامعہ اسلامیہ

اسلام نے طرز حکومت کہاں متعین کیا ہے اگر کہیں کیا ہے تو ہمیں بتائیں؟

جواب:۔

مولانا محمد شفیع چترالی، کالم نگار روزنامہ اسلام

کوئی ایک طرز حکومت دنیا میں نافذ کیا ہی نہیں جاسکتا۔ دنیا میں مختلف جغرافیائی حالات ہوتے ہیں ہر معاشرے کے اپنے مسائل ہوتے ہیں کوئی ایک ایسا لگا بندھا سسٹم متعین کیا ہی نہیں جا سکتا۔ اسلام نے ریاست کے لئے بنیادی اصول بتادئے ہیں کہ اسلامی ریاست کو کن

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصولوں کے تحت کام کرنا چاہیے؟ اس کے فرائض اور ذمہ داریاں کیا ہیں۔ جیسا کہ میں نے اپنی گفتگو میں بتایا کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی فراہمی ممکن ہو اور قرآن مجید کی آیت سے یہ بات ثابت ہے کہ اگر ہم ان کو حکومت دیں تو وہ نظام صلوٰۃ قائم کریں گے نظام زکوٰۃ قائم کریں گے۔ علماء اس کی تشریح بھی کرتے ہیں کہ نظام صلوٰۃ سے مراد حقوق اللہ ہیں اور نظام زکوٰۃ کے اندر حقوق العباد آتے ہیں۔ ایک ایسا معاشرہ جس میں حقوق اللہ اور اللہ کے بندوں کے حقوق کی ادائیگی کا اہتمام ہو ایسے معاشرہ کا قائم کرنا ہی دین کا مقصد ہے اس کے لئے طریقہ کار کوئی بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور اسلام کی تاریخ کے اندر جو سب سے آئیڈیل نظام رہا ہے وہ خلافت کا ہے۔

سوال:۔

شہزاد احمد متعلم جامعہ نعیمیہ

سلفی صاحب نے فرمایا کہ سستا انصاف فراہم کیا جائے ایک طالب علم کی حیثیت سے میرے ذہن میں یہ شبہ پیدا ہوا کہ انصاف کے ساتھ لفظ ''مفت'' استعمال کیا جائے اگر سستے کا لفظ استعمال کیا جائے گا تو اس کا مطلب یہ ہے کہیں رشوت تو نہیں دی جا رہی۔ کہیں پیسے تو نہیں لئے دیئے جا رہے؟ دوسرا سوال ڈاکٹر شکیل اوج سے ہے آپ نے فرمایا کہ قرآن مجید نے پارٹی بنانے کا کوئی اصول نہیں دیا۔ میرا سوال یہ ہے کہ اللہ تبارک نے ارشاد فرمایا کہ وہ رب جس نے تمہیں پیدا کیا تم میں سے کچھ مومن ہیں کچھ کافر ہیں۔ اگر قرآنِ کریم کے ان مطلق الفاظ کو وسیع تناظر سے دیکھا جائے تو ایک پارٹی مومنوں کی بنتی ہے ایک پارٹی کافروں کی بنتی ہے۔ وہاں سے پارٹی کا اصول بھی ثابت ہو جاتا ہے۔

جواب:۔

مولانا محمد سلفی، پرنسپل جامعہ ستاریہ کراچی

بنیادی بات سستے اور مہنگے انصاف کی نہیں بلکہ تطبیقِ شریعت الٰہی اور سنتِ محمد مصطفیٰ ﷺ ہے جہاں بھی اللہ کا قانون اور نبی ﷺ کی سنت نافذ ہوگی وہاں خود بخود سستا انصاف مہیا ہو جائے گا۔ بنیادی مقصد سے دھوکہ نہ کھایا جائے بلکہ حقیقت کو سمجھنے کے لیے اللہ کی کتاب اور نبی ﷺ کی سنت سے رجوع کیا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:۔

ڈاکٹر شکیل اوج، ڈین فیکلٹی آف اسلامک سٹڈیز جامعہ کراچی

آپ نے خود قرآن آیت پڑھ کر سنائی کہ ایک پارٹی کافروں کی اور ایک مسلمانوں کی، آپ بتائیے کہ اس سے یہ کہاں استدلال کیا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کی کئی پارٹیاں ہوں۔ دوسری بات یہ کہ قرآن پاک کا اصول یہ ہے کہ مسلمانو! آپس میں تفرقہ نہ کرو۔ تفرقے کے بارے میں اتنا بیان کیا کہ یہاں تک کہ اسے مشرک سے بھی تعبیر کیا۔ ایک جگہ حضور اکرم کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ جو لوگ دین میں تفرقہ کر کے الگ ہو گئے اور اپنی پارٹی بنالی تو اے رسول آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم آئیڈیلزم کی بات کر رہے ہیں بے شک اس میں بڑی دشواریاں ہیں۔ مسلمانوں کے ہاں جس کے پاس اقتدار آجائے اور اگر اس کے نظام سے کوئی خرابی پیدا ہو رہی ہے تو کسی بھی طرف سے کسی بھی طبقے سے اگر کوئی اعتراض سامنے آتا ہے اور لوگ اس کو درست سمجھتے ہیں تو سب لوگ حکومت سے بات کریں، کوئی پارٹی نہ ہو۔ اس طرح ان کی ہمدردی ظاہر ہوتی ہے۔ لیکن جس طرح ہماری پارٹیاں ہیں سب اپنا مفاد دیکھتی ہیں۔ کالا باغ ڈیم آج تک نہیں بن سکا۔ پتہ نہیں کتنے ایسے معاملات ہیں جو اختلاف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس طرح کی پارٹیاں جب وجود میں آتی ہیں تو میرٹ کا قتل ہوتا ہے۔ اس لئے اگر آپ ایک پارٹی کے مقابلے پر دوسری پارٹی کا تصور گہرائی میں جا کر دیکھیں تو اس کا مطلب بغاوت ہوتا ہے۔ مسلمانوں کا جب نظم ونسق قائم ہو گیا اور اس کے مقابلے پر دوسری پارٹی کھڑی ہو گئی تو اس کا مطلب ہے کہ وہ باغی ہے، جسے آپ نے جمہوریت کے لبادے اوڑھا دیئے ہیں۔ اگر انھیں اتار کر دیکھیں گے تو بیچ میں کوئی اور چیز نکلے گی۔ پاکستان میں اتنی پارٹیاں ہیں لاحول ولاقوت إلا باللہ، حیرت ہوتی ہے کہ کون سی پارٹی ٹھیک ہے، عوام گمراہ ہو چکی ہے۔

سوال:۔

محمد یاسین متعلم جامعہ اسلامیہ:۔

بیان کیا گیا کہ پاکستان میں وزیر اعظم ہوتا ہے بادشاہ کوئی نہیں اور بادشاہت کا عہدہ اب بھی ملکہ برطانیہ کے لئے ہے یعنی ہم اب بھی غلام ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:۔

مولانا محمد شفیع چترالی، مذہبی سکالر و کالم نگار روزنامہ اسلام

بدقسمتی یہی ہے کہ برطانوی نوآبادیات سے آزاد ہونے والے جتنے بھی ممالک ہیں ان کی حکومت کا سربراہ وزیراعظم کہلاتا ہے۔ میں نے یہی سوال اٹھایا تھا کہ اگر سب سے بڑا وزیراعظم ہے تو پھر بادشاہ کون ہے؟ دستور میں تو لکھا ہوا ہے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے لیکن بھارت میں بھی وزیراعظم ہے اور دیگر نوآبادیات جو آزاد ہوئیں ان میں بھی یہی ہے۔ خلاصتی طور پر بادشاہ کی کرسی ملکہ برطانیہ کیلئے خالی رکھی ہوئی ہے۔ میں نے دلیل دی کہ آپ کی پارلیمنٹ کے سپیکر نے 1998 میں باقاعدہ اس بات کا اعتراف کیا کہ ہم ابھی تک آپ کے زیر نگیں ہیں۔ میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ وہ ہم پر براہ راست حکومت نہیں کرتے لیکن یہ ستم برطانوی جمہوریت کا حصہ ہے۔ ہم اس تسلسل میں ابھی تک چل رہے ہیں ہمیں اب اس سے نکلنا چاہئے۔ جب تک ہم اس سے نکلیں گے نہیں ہم آگے نہیں بڑھ سکیں گے۔

جواب:۔

مولانا سیف اللہ ربانی، مدرس جامعہ بنوریہ عالمیہ و منتظم اعلیٰ وفاق المدارس پاکستان

جمہوریت یونان سے شروع ہوئی وہاں خواتین کو ووٹ دینے کا حق نہیں تھا۔ برطانیہ میں بھی طویل عرصے تک بہت سارے لوگوں کو ووٹ دینے کی اجازت نہیں تھی یہی حالت امریکہ کی تھی۔ ہم جس جمہوریت کا نام لیتے ہیں اور اس کی کوشش کرتے ہیں وہ شوریٰ کا نظام ہے۔ لیکن 65 سال گزر گئے نہ وہ شوریٰ لاسکے نہ اس جمہوریت کو مشرف با اسلام کر سکے۔ کوشش جاری ہے بہت سارے لوگ اس جمہوریت کو کفر سے تعبیر کرتے ہیں میرے خیال میں یہ زیادتی ہے اگر ہم اس کو کفر سے تعبیر کریں گے تو وہ سارے علماء جو اسمبلی میں پہنچے اور جمہوریت کے حوالے سے کام کیا اس میں ہر مسلک کے لوگ ہیں بریلوی بھی ہیں، اہل تشیع بھی، اہل حدیث بھی، دیوبندی بھی ہیں۔ شاہ احمد نورانی، مفتی محمود، مولانا الازہری صاحب بہت سارے لوگ جدوجہد کرتے رہے لیکن جمہوریت کو رائج کرنے میں جو رکاوٹیں حائل تھیں ان کو دور کرنے میں ہم نے کوئی خاطر خواہ کام نہیں کیا۔ نام تو جمہوریت کا ہے لیکن ذہنی طور پر یقیناً ہم غلام ہیں ہماری کوشش یہ ہونی چاہئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ ہم اس جمہوریت کو مزید بہتر سے بہتر کر سکیں۔

صدارتی خطبہ

مفتی منیب الرحمٰن
چیئرمین مرکزی رویت ہلال کمیٹی وصدر تنظیم المدارس پاکستان

تمام اہل فکر ونظر اور اہل علم وفضل نے اچھی فاضلانہ، عالمانہ اور دانش پر مبنی گفتگو کی اور اپنے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ اس تمام گفتگو کے نتیجے میں، میں چند باتیں کہنا چاہوں گا۔ اگر ریاست اسلامی ہے تو اس میں انصاف مفت ہونا چاہئے کیونکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنے اولین خطبۂ خلافت میں جو اصول خلافت کے وضع کئے تھے اس میں بتایا تھا کہ تم میں سے جو کمزور ہے، مظلوم ہے، بے بس ہے، عاجز ہے اور اپنا حق نہیں لے سکتا تو میرے نزدیک وہ طاقتور ہے تاوقتیکہ میں ظالم سے اس کا حق چھین کر اس کو لوٹا نہ دوں اور جو طاقتور ہے، دہشت گرد ہے، دولت والا ہے، اثر ورسوخ والا ہے، اقتدار والا ہے میرے نزدیک کمزور ہے تاوقتیکہ مظلوم کا حق اس سے چھین نہ لوں۔ جب صاحب حق کو حق دلانا ریاست کی ذمہ داری ہے تو یقیناً وہ مفت اور بغیر کسی قیمت کے ہونا چاہئے۔ اگر کہیں کوئی آئیڈیل یا تصوراتی اسلامی حکومت قائم ہو جاتی ہے میں نے ایک جملہ کہا تھا کہ مجھے اس جمہوریت سے امید نہیں ہے۔ میرے بھائی حضرت علامہ زاہدی صاحب نے فرمایا کہ امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہئے۔ جب ہم یہ کہتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اسباب ظاہری سے امید نہیں ہے۔ قرآنِ مجید کی ایک آیتِ مبارکہ ہے جو مشکلات القرآن میں سے ہے اللہ فرماتا ہے کہ "یہاں تک کہ جب رسولؑ ناامید ہو گئے مایوس ہو گئے تو انھوں نے گمان کیا کہ ان سے جھوٹ کہا گیا تھا۔ بعض نے کہا کہ انھوں نے گمان کیا کہ ان کی فہم نے غلطی کی اور ظاہر ہے کہ رسول تو انسانیت کو امید دلانے آتے ہیں مایوس کہاں ہونگے تو جب ہم نے مفسرین کی متقدمین کو دیکھا تو انھوں نے لکھا کہ رسولؑ ظاہری اسباب سے مایوس ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی رحمت وقدرت سے مایوس نہیں ہوئے۔ کفار جو مسلمان ہو گئے تھے انھوں نے گمان کیا کہ رسول نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا وہ گویا جھوٹ بولا گیا۔ مطلب یہ کہ ان کی توقع کے مطابق نصرت نہیں آئی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہماری مدد پھر آ گئی۔ اب اس مدد کے حصول کا وقت اللہ کے ہاں مقرر تھا بندوں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شیڈول کے مطابق اس کا آنا ضروری نہیں ہے۔ اس کے ساتھ میں یہ بھی کہنا چاہوں گا کہ ایک مسئلہ ہوا کہ ہمارا یہ آئین اسلامی ہے یا نہیں ہے۔ میں یہ کہوں گا کہ اس کو اپنے دستوری میثاق کی رو سے اسلامی کہیں گے لیکن یہ مکمل اسلامی نہیں ہے کہ جس سے ہم مطمئن ہو جائیں کیونکہ اس میں تضادات اور ابہامات بھی موجود ہیں۔

بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ جب تک آپ ڈرائیونگ سیٹ پر نہیں آتے۔ اس نظام میں خیر کا غالب آنا عملاً دشوار ہے، یہاں تو حال یہ ہے کہ اگر آپ مذہب کے نام پر کوئی تھوڑی سی تحریک شروع کر دیں تو آپ دیکھیں گے کہ دو دن بعد ایک شیعہ مارا گیا، ایک دوسرے مسلک کا مارا گیا ہے اور ایک تیسرے مسلک کا مارا گیا ہے وہ تحریک تو وہیں دھری کی دھری رہ گئی اب آپس میں لڑائی شروع ہو گئی۔ یہ جو ہمارے ہاں لڑاکا تنظیمیں بنی ہیں اس نے بھی بہت نقصان پہنچایا ہے اب حال یہ ہے کہ ہمارا سچ بولنا بہت مشکل ہے ہر مسلک کے لوگ اپنی اپنی انتہا پسند تنظیم کو کنٹرول نہیں کر سکتے اور اس کے غلط کو غلط بھی نہیں کہہ سکتے۔ جب تک ہم یہ بھی نہیں کر سکتے تو پھر اصلاح کیسے ہو گی۔ ہم نظریاتی بحثیں کرتے رہیں گے۔ آئین پاکستان اسلامی ہے یا نہیں۔ کوئی کہے گا کہ ہے اور کوئی کہے گا کہ نہیں، میں کہوں گا کہ جو کچھ ہے غنیمت ہے اور اس کو مزید بہتر بنایا جائے لیکن اس کو کفر قرار نہیں دیا جا سکتا۔ میں ایک مرتبہ ڈاکٹر اسرار کے پروگرام میں گیا وہ اس نظام انتخاب کے خلاف ہیں آپ جانتے ہیں وہ جماعت اسلامی سے الگ ہو گئے تھے۔ میں نے کہا حضرت آپ نے 50 سال گزار لئے اور تنقید کرتے رہے ان سیاسی جماعتوں پر جو انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ میں نے کہا اب آپ نے کتنے بندے تیار کر لئے، تاکہ میں ضرب لگا کر بتاؤں کہ ڈھائی ہزار سال یا پانچ ہزار سال بعد اتنے بندے تیار ہو جائیں گے تو اسلام غالب آجائے گا۔ اس لئے میرا نظریہ یہ ہے کہ جو سسٹم چل رہا ہے اس کو بالکل جنات کے حوالے کرنے کی بجائے جو لوگ بھی سسٹم میں حصہ لے رہے ہیں کم از کم یہیں بیٹھیں رہیں گے تو آوازہ تو لگا لیں گے۔ زمانہ ایسا ہے کہ آپ سسٹم میں ہیں تو آپ کی آواز کا وزن ہے اور اگر آپ سسٹم میں نہیں ہیں تو نہ ڈاکٹر شکیل اوج کی آواز کا وزن ہے نہ میری آواز کا وزن ہے نہ کسی اور کی آواز کا وزن ہے۔ لہٰذا بہتری کی توقع رکھ کر اس کے لئے منصوبہ بندیاں کیجئے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دوسری نشست

صدارت: مولانا عبدالحق ہاشمی،
مرکزی رہنما جماعت اسلامی بلوچستان ومشیر وفاقی شرعی عدالت

میزبان: محمد عامر رانا
ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

اس نشست میں ہم تین سوالوں پر اپنی توجہ مرکوز کریں گے۔
ایک مسلم ریاست میں حکمرانی کے طریقہ کار اور حکمرانی کا تعین کون کرے گا۔ دوسرا یہ کہ ہم شرعی بحث میں یہ کہتے ہیں کہ حکمران چند نمایاں خصوصیات کا حامل ہو، کون سا شخص یا ادارہ ایسی خصوصیات کے حامل شخص کی تقرری کرے گا۔
کیا مسلمانوں کے لئے انتظامی، قانونی یا سیاسی دائرہ اختیار کی بنیاد پر علیحدہ وطن کا مطالبہ غیر اسلامی ہے؟ خاص کر جب دائرہ اختیار کی تقسیم اسلامی تاریخ کا حصہ ہو۔
پاکستان کے موجودہ آئین کے بارے میں آپ کی عمومی رائے کیا ہے اور آئین سازی میں علماء کا کردار کیا ہے؟

مولانا عبدالحق ہاشمی

مرکزی رہنما جماعت اسلامی بلوچستان ومشیر وفاقی شرعی عدالت

جمہوریت ایسا نظام ہے جو معاشرے کے تمام افراد کی رائے سے تشکیل پاتا ہے۔ اگرچہ تمام افراد کی رائے سے نظام کی تشکیل ناممکنات میں سے ہے جمہوریت کی یہ تشریحات جنہوں نے بھی کیں ان کی طرف ہم علماء کو جانے کی ضرورت نہیں ہے ہمارے مصادر فقہ میں جمہور کی ایک اصطلاح معروف رہی ہے۔ اس اصطلاح میں جمہور کے لئے کلیتًا افراد نہیں بلکہ اکثریت کا مفہوم مراد ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے ہمارے پس منظر کے ساتھ منسلک مفہوم میں ہمیں کوئی تضاد نظر نہیں آتا یہاں پر بھی جو کیفیت بنتی ہے وہ اکثریتی رائے ہی کے نتیجے میں بنتی ہے اور ہم جس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصطلاح کو جانتے ہیں اس اصطلاح کے اندر بھی بات یہی ہے کہ اکثریتی رائے کے نتیجے میں ایک نظام تشکیل پاتا ہے۔ دوسری چیز جو میں آپ کے سامنے ایک سوال کے طور پر رکھنا چاہتا ہوں، پچھلی نشست میں ہم نے نظری بحث کی ہے کہ جمہوریت ہمارے لئے قابل قبول ہے یا نہیں ہے۔ جمہوریت اپنی اساس میں کافرانہ نظام رکھتی ہے یا اس کے اندر اسلامائزیشن کا عمل ہوسکتا ہے یہ سب مذہبی نظری بحثوں کی ایک شکل ہوسکتی ہے۔ میں ایک عملی پہلو کی جانب آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ جمہوری نظام جیسا بھی سہی اس کی ابتدا خدا بیزار معاشرے سے ہوئی۔ یہ تصور کرنا یا خوش گمانی رکھنا کہ ایک کافر سماج سے اسلام کے حق میں کوئی نظام آئے گا یہ خود ایک غلط فہمی والی بات ہے۔ البتہ دیکھنا یہ ہے کہ ایک چیز واقع ہوگئی ہے جیسے خشک سالی کے بعد اگر آپ قحط کے وجود پر بات کریں گے کہ اس کو مانوں یا نہ مانوں۔ یہ زیادہ سود مند بحث ہوگی یا دشمن آپ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا، سیلاب آگیا، زلزلہ آگیا۔ اس کے نتیجے میں کیا آپ اس کے وجود پر بحث کریں یا اس سے نکلنے کا کوئی راستہ تجویز کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت کا عملی پہلو دوسری جانب متوجہ کرتا ہے انسانی معاشرے اور تہذیب نے جو ارتقاء حاصل کیا اس میں بہت ساری چیزوں کو انسانی معاشرے نے قبول کیا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نکاح وطلاق، بچوں کی پیدائش کی دستاویزی حیثیت کو ہم سب نے بحیثیت مجموعی قبول کیا ہے پہلے یہ نظام موجود نہیں تھا۔ مالیاتی نظام، درآمد و برآمد کے اصول، یہ سب چیزیں ہم نے جدید تہذیب کے نتیجے میں قبول کیں۔ یہ چیزیں عملاً ہمیں عہد نبوی میں نہیں ملتیں۔ اسی طرح سے بینکنگ کا نظام ہے ہم اس کے حق میں نہیں مگر یہ ایک نظام ہے، اور عملاً اسے قبول کیا گیا ہے۔ اس میں ہم اصلاح کی کوشش کرتے رہے جس کی وجہ سے آج ایک متوازی نظام بھی سامنے آگیا ہے۔ اس سے اختلاف، یا اتفاق ہمارا مقصد نہیں ہے۔ آپؐ کی سیرت سے ایک بات بہت واضح ہے کہ آپؐ نے لوگوں کو اصلاحات کی جانب راغب کیا۔ کسی نظام کو یکسر رد کردینے کی پالیسی آپؐ کی سیرت سے نہیں ملتی۔ بلکہ اس کی مثال یہ ہے کہ غلامی ایک بہت بڑا جرم ہے گناہ ہے جب نبی کریمؐ پر نبوت کا تاج رکھا گیا تو معاشرے کے اندر غلامی ایک ناسور کی طرح موجود تھی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ وہ دین جو حریت اور انسانی آزادی کا پیغام لے کر آیا ہے وہ یکسر اس کا انکار کردیتا لیکن نبی کریمؐ نے ایسا نہیں کیا۔ ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

دیکھتے ہیں کہ غلامی اسلام کے آنے کے بعد بھی موجود رہی لیکن آپ نے ایسی اصلاحات اس میں فرمادیں کہ بالآخر یہ نظام اپنی موت آپ مرگیا۔ ہمیں جمہوریت کو بھی اسی تناظر میں دیکھنا چاہئے۔ میں اسے بہت بہترین نظام قرار نہیں دے سکتا۔ یہ ایک خدا بیزار معاشرے سے آیا اور ہمارے اوپر تھوپ دیا گیا۔ دوسری جانب ہمارے پاس اس نظام کے متبادل کے طور بھی کوئی نظام موجود نہیں ہے۔ اصلاحات سے ہمیں کوئی نہیں روک سکتا۔ ہم اس کے اندر اصلاحات تجویز کریں جس کے لئے دباؤ قوت بہم پہنچانا بہت ضروری ہے جو قوت ان اصلاحات کو نافذ العمل کر سکے۔

ڈاکٹر اعجاز صمدانی

پروفیسر و مفتی جامعۃ العلوم کراچی

اسلام ایک دین ہے جو انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر معاشرے اور پوری ریاست کے بارے میں گفتگو کرتا ہے جب وہ تمام شعبوں کے بارے میں گفتگو کرتا ہے تو ریاست بھی اس میں خود بخود داخل ہو جاتی ہے۔ اس لحاظ سے اسلام کا نظریہ اعتدال پر مبنی ہے نہ کہ افراط و تفریط پر، تفریط کا مطلب یہ ہے کہ ریاست کو بحیثیت ریاست سیکولر چھوڑ دیا جائے اور اس کے لئے کسی مذہب کو تسلیم نہ کیا جائے۔ یہ وہ نظریہ ہے جو انہوں نے مغرب میں متعارف کرایا۔ ظاہر ہے کہ وہ تفریط پر مبنی ہے جو اسلام کے لئے قابل قبول نہیں ہے۔ اسلام کا اصل مقصد ہی ایک اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ہے۔ عبادات اور دوسرے اعمال اس کے لئے بطور مبادی اور تمہید کے ہیں جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں اصل میں ان کا استدلال قرآن کریم کی ایک آیت سے ہے، سورۃ نور کی آیت: ترجمہ: وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان اور اعمال صالح کے نتیجے میں مقصود یہ کہ اسلامی ریاست و خلافت کا قیام ہو۔ لیکن بات واضح ہے کہ یہاں اسلامی حکومت و ریاست کا قیام بطور وعدہ و معود کے ہے بطور مقصود کے نہیں ہے اور ہر معود کا مقصود ہونا ضروری نہیں ہوتا۔

عبادت کے بعد درجات ہیں ایک براہ راست عبادت جو نماز، روزہ ہے اور پھر دوسری بلا واسطہ عبادت، ریاست میں اسلامی احکام کا نفاذ کرنا بھی ہے۔ شریعت نے اس بارے میں بہت سارے احکامات دیئے۔ دوسرا تصور حکومت ہے اس میں اسلام کے احکامات دو طرح کے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بعض احکامات ایسے ہیں جو دو اور دو چار کے ہیں اس میں کسی بھی قسم کی تبدیلی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں۔ جیسے نماز کی رکعتیں ہیں روزے کی مقدار ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ البتہ دوسرے کئی احکامات ہیں جس میں شریعت نے لچک رکھی ہے جیسا کہ لباس، اسلام نے یہ نہیں کہا کہ آپ یہ پہنیں یہ نہ پہنیں، جو لباس شریعت کے مقاصد پورے کرے اسلامی ہے، بات ختم۔ اسی طرح شریعت نے حکومت کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ یہ ہو اور یہ نہ ہو، بلکہ اس میں لچک رکھی ۔آپ دیکھیں کے چار خلفاء میں ہر ایک کا طریقۂ انتخاب مختلف ہے۔ جناب حضرت ابو بکر صدیقؓ کو آپؐ نے صراحتاً خود منتخب نہیں کرایا البتہ کچھ رجحان ظاہر فرمادیا کہ ان کو امامت کے اوپر کھڑا کر دیا تو وہ صحابہ کرام کے لئے ایک قرینہ بن گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ کو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے متعین فرمادیا۔ عمر فاروقؓ نے آگے عثمانؓ کو متعین نہیں کیا بلکہ چھ رکنی کمیٹی بنائی، حضرت علی المرتضیٰؓ کا انتخاب ہنگامی حالت میں ہوا۔ شورش زدہ حالات میں مسلمانوں کی اکثریت نے دستِ بیعت بڑھا کر ان کا انتخاب کیا۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نے کوئی لگے بندھے طریقے نہیں دیئے کہ اس سے نمٹنے کی آپ کے پاس گنجائش نہ ہو۔ حالات سے اور زمانے کی ترجیحات کے تحت آپ ایک دائرے کے اندر رہ کر کام کر سکتے ہیں۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو بادشاہ ہوتا ہے وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ یہ بات شائد درست نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤدؑ کے بارے میں فرمایا کہ داؤدؑ نے جالوت کو قتل کیا اور ہم نے اس کو بادشاہت عطا فرمائی۔ پھر دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے داؤدؑ، ہم نے آپ کو زمین پر خلیفہ بنایا ہے۔ مقدمہ ابن خلدون میں لکھا ہے کہ حکومت کی تین قسمیں ہوتی ہیں ایک کو ہم ملک طبعوی کہتے ہیں۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ اپنی خواہشات کو پورا کرنے کے لئے حکومت سازی کرنا۔ دوسرا ہے ملک سیاسی، یعنی عقل و فہم کے مطابق حکومت کرنا جو اس وقت مغرب میں رائج ہے۔ تیسری قسم خلافت کی ہے۔ خلافت کی تعریف یہ کی گئی ہے کہ انسانوں کی دنیاوی اور اخروی فلاح کے لئے جو اقدامات اٹھائے جائیں شریعت کی روشنی میں وہ خلافت کہلائے گی اس کی مختلف زمانوں میں مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں، شریعت میں اس کی اجازت موجود ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ کس طرح کی جمہوریت کو اسلامی قرار دیا جا سکتا ہے اور کس طرح کی جمہوریت غیر اسلامی قرار پائے گی۔ جمہوریت کی تعریف اور تفصیلات پر گفتگو ہو چکی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جمہوریت سے مراد ہے کہ اکثریت کی بنیاد پر کوئی فیصلہ کرنا۔ کیا مجلس کے اندر اگر اکثریت ایک طرف ہو اور امیر مجلس کی کوئی اور رائے ہو تو اکثریت کی بنیاد پر جو رائے آئے گی وہ امیر کی رائے پر فوقیت رکھے گی۔ فقہائے کرام اس پر دو رائے رکھتے ہیں۔ بعض علمائے کرام کی رائے ہے کہ امیر ان سے رائے تو لے گا لیکن ان کی رائے کا پابند نہیں ہوگا بلکہ آزاد ہوگا۔

قرآن کریم کی آیت نے بھی فرد واحد کا صیغہ استعمال کیا ہے ''جب آپ (اکیلے) عزم کر لیں تو اس وقت ہی فیصلہ کریں گے''۔ لشکر اسامہ کے بارے میں جمہور کی رائے تھی کہ لشکر کو روانہ نہیں کرنا چاہئے۔ لیکن صدیق اکبرؓ نے جمہوریت کی رائے کو قبول نہیں کیا اور فیصلہ کر دیا۔ اس کے برعکس بعض دوسرے فقہائے کرام کی رائے ہے کہ زیادہ افراد کی رائے کو قبول کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک تو یہ کہ حدیث میں فقہائے کرام نے مشورے کی یہ تعریف کی ہے کہ مشاورت اہل علم سے لو اور پھر ان کی بات مان لیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ آنحضورؐ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے مشورہ کیا اور پھر ان سے فرمایا کہ اگر تم اس پر متفق ہو جاتے تو پھر میں تمہاری رائے سے اختلاف نہ کرتا۔ یعنی میں اسی بات کو مان لیتا جو تم کہتے۔ احد کے اندر آنحضورؐ کی رائے خروج کی نہیں تھی لیکن اکثریت کی رائے خروج کی تھی اور آپؐ نے اکثریت کی رائے کو مان لیا اور احد کے لئے خروج کر لیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ بعض اوقات اکثریت کی رائے کو بھی لینے کی گنجائش ہے۔ موجودہ حالات میں ہمیں اس بات کا خطرہ رہتا ہے کہ اگر ہم امیر مجلس کو استبدادی اختیارات دے دیں کہ آپ جو چاہیں کر لیں تو خطرہ ہے کہ وہ اپنے ہی مفادات کو پیش نظر رکھے گا۔ اگر حالات ایسے ہوں کہ اس کو اکثریت کی رائے کا پابند بنانا ہو تو اس کی بھی گنجائش ہے البتہ اکثریت کی رائے کا پابند بنانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس طرف اکثریت جائے گی ہم ہر حال میں اس کو مانیں گے چاہئے قرآن وسنت کے خلاف ہو یا مطابق۔ اس کا نام ہے سیکولر جمہوریت یا لبرل جمہوریت۔ اس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ دوسری چیز ہے اسلامی جمہوریت، اس کا مطلب ہے کہ ہم اکثریت کی بات کو تو مانیں گے لیکن اس میں شرط یہ ہوگی کہ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو اگر اس حد تک اس بات کو قبول کر لیا جائے تو اس کو ہم غیر شرعی یا ناجائز نہیں کہہ سکتے۔ جب جمہوریت سیکولر ہو جاتی ہے تو وہ مکمل غیر اسلامی ہو جاتی ہے۔ البتہ اگر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شرعی تقاضوں کا خیال رکھا جائے تو اس کو اسلام کے قریب کیا جا سکتا ہے اور ایک قابل قبول شکل بنائی جا سکتی ہے۔ اسلام میں فیصلہ سازی اور حکومت بنانے میں عوام کسی حد تک شامل ہو سکتے ہیں۔ بالخصوص خواتین کا اس میں کسی حد تک کردار ہوگا۔ جہاں تک یہ بات ہے کہ عوام کس حد تک شامل ہو سکتے ہیں ظاہر ہے کہ تمام عوام کو حکومت سازی میں شامل کرنا عملاً ناممکن بات ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ آج کل بھی جو انتخابات ہوتے ہیں اس میں ٹرن اوور چالیس یا پچاس فیصد ہوتا ہے سو فیصد ممکن ہی نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے۔ جمہوریت یونان سے آئی۔ اس وقت وہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں آٹھ دس ہزار کی آبادی ہوتی تھی وہ سب کو کھڑا کر کے پوچھ لیتے تھے۔ ہاں بھائی تمہاری کیا رائے ہے وہ بتا دیتے تھے۔ لیکن اب اتنی بڑی آبادی ہے فرداً فرداً رائے لینا ممکن نہیں۔ البتہ شریعت میں اس کی گنجائش موجود ہے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ جس چھ رکنی کمیٹی کے چیئرمین تھے وہ خود امیدواری سے دستبردار ہو گئے پھر روایت میں آتا ہے کے انہوں نے مشورے لئے یہاں تک کہ خواتین سے اور مدرسے میں پڑھنے والے بچوں سے بھی پوچھا کہ تمہارا خلیفہ کون ہونا چاہئے۔ انہوں نے اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کی کہ جس طرف اکثریت ہے اس کو مسلمانوں کا خلیفہ بنایا جائے۔ چنانچہ حکومت سازی کے لئے لوگوں سے رائے لینا ناجائز نہیں ہے۔ ناجائز یہ ہے کہ آپ خود ان سے مطالبہ کرو کہ مجھے خلیفہ بناؤ۔ از خود مطالبہ کرنا درست نہیں۔ اس لئے متبادل کے طور پر ایسا کوئی نظام بنا لیا جائے۔ مثلاً الیکشن کمیشن آف پاکستان یہ کہے کہ ان صفات کے حامل افراد کی لسٹ اس علاقے کے ممتاز لوگوں کے ذمہ کر دی جائے۔ مثلاً آئمہ مساجد، چاروں پانچوں مسالک کے جتنے بھی لوگ ہیں انہیں کہا جائے کہ اس حلقے میں سے دس لوگوں کے نام ہمارے پاس بھیجیں۔ پھر ان لوگوں کو خود انتخابی مہم چلانے کی اجازت نہ ہو بلکہ الیکشن کمیشن ان کو اپنے ہاں بلائے ان کے انٹرویوز کرائے جو شائع ہوں۔ لوگ اس بنیاد پر فیصلہ کریں۔ رائے دہندہ کے لئے اٹھارہ سال کا ہونا ضروری نہیں آپ چالیس سال کی حد رکھ لیں یا کوئی اور طریقہ کار اختیار کر لیں جس سے موجودہ حالات میں کسی قدر بہتری کی امید پیدا ہو سکتی ہے۔

خواتین کے سیاسی کردار کے حوالے سے ان سے مشورہ لینے کا ثبوت تو ملتا ہے۔ صلح حدیبیہ کے اندر آنحضورؐ نے ام سلمہؓ سے مشورہ لیا اور اس پر فیصلہ ہوا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے اپنی بیٹی سے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پوچھا تھا کہ ایک عورت شوہر کے بغیر کتنے عرصے تک رہ سکتی ہے؟ انہوں نے بتادیا کہ چار مہینے تک رہ سکتی ہے تو انہوں نے اس کو بنیاد بنالیا۔ جس سے یہ ثبوت ملتا ہے کہ عورت سے مشورہ لیا جاسکتا ہے لیکن کیا اس کو شوریٰ کا مستقل ممبر بنا کر ہر معاملے میں اختیار دیا جاسکتا ہے یا نہیں۔ اس میں دورائے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مخصوص حالات میں مشورے کا ثبوت ہے عمومی حالات میں نہیں ہے۔ تاریخ میں بھی اس بات کے شواہد نہیں ملتے کے خواتین مجلس شوریٰ کی رکن رہی ہوں، ہر مرتبہ انہیں ووٹ کا اختیار دینا مناسب نہیں۔ لیکن اگر ان دو واقعات کی بناء پر ہم انہیں اختیار دے بھی دیں تو اس کو مکمل طور پر غیر اسلامی کہنا مشکل ہوگا کیونکہ فی الجملہ اس کی اسلام میں بنیادیں موجود ہیں۔

ایک اسلامی ریاست میں حکمران کا تعین کون کرے گا؟ میں نے چونکہ پہلے ہی عرض کیا کہ اسلام کے اندر لگا بندھا اصول نہیں ہے۔ اسلام میں کسی بھی ذمہ داری کے لئے بنیادی طور پر دو شرطیں ہیں۔ قرآن میں دو جگہ آیا کہ القوی اور الامین۔ امین کا مطلب ہے امانت دار ہو، خائن نہ ہو، قوی کا مطلب طاقت والا نہیں بلکہ جس فن کی ذمہ داری اس کو دی جائے اس فن کو سمجھنے والا ہو اس کو ہم علم سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ کون اہل ہے اور کون نہیں ہے۔ پہلی چیز اس کی دیانت کو چیک کرنا ہے، دیانت کیلئے عام دنیا میں ہم جو معیارات اپنائے جاتے ہیں کہ وہ بلیک لسٹ نہ ہو، نادہندہ نہ ہو، اور اس پر بدیانتی کا کوئی الزام بھی سامنے نہ آیا ہو۔ جب ہم کہتے ہیں کہ حکمران عادل ہو تو عدل کی ایک تعریف بہت پہلے کی گئی ہے کہ جو کبیرہ گناہ کا ارتکاب نہ کرے اور اور صغیرہ پر اصرار نہ کرے۔ آج کل اس تعریف پر پورا اترنے والا عادل شائد کوئی بھی نہ ملے۔ شاید بڑے سے بڑے مفتی صاحب بھی اس تعریف پر پورا نہ اتریں۔ اب فقہاء نے زمانے کی تبدیلی کی وجہ سے عادل کی تعریف یہ کردی ہے کہ جس کی نیکیاں زیادہ ہوں برائیاں کم ہوں، پس وہ عادل ہے۔

کیا مسلمانوں کے لئے علیحدہ وطن کا مطالبہ انتظامی، قانونی یا سیاسی دائرہ کی بنیاد پر غیر اسلامی ہے خاص کر جب دائرہ اختیار کی تقسیم اسلامی تاریخ کا حصہ ہے؟

اس سوال کے دو پہلو ہیں ایک تو یہ کہ متحدہ ہندوستان میں مسلمانوں نے الگ ریاست کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مطالبہ کیا اور آج کل پاکستان میں جس طرح کے مطالبات سامنے آرہے ہیں۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس وقت فقہائے کرام کے دو نظریات ہمارے سامنے ہیں ایک نظریہ یہ سامنے آتا ہے کہ اسلامی تصور کے تحت پوری دنیا کی خلافت ایک ہے۔ گلوبلائزیشن کا تصور تو مغرب نے ابھی پیش کیا ہے۔ گلوبلائزیشن کا تصور آنحضورؐ اور خلفائے راشدین سے شروع ہوتا ہے بنوامیہ اور بنوعباس میں یہی رہا کہ ایک خلیفہ ہوتا تھا اور مختلف ملکوں میں اسکے گورنر ہوتے تھے نہ کہ مختلف خلیفہ ہوتے تھے۔ لیکن یہ سوال کہ مختلف ملکوں کے لئے الگ الگ حکمران بالذات ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ اگر اس کا مقصد یہ ہے کہ انتظام بڑا ہے اور ہم ایک ساتھ سنبھال نہیں سکتے تو انتظامی طور پر الگ حکمران منتخب کر سکتے ہیں اس لئے نہیں کہ ہم الگ الگ ہیں۔ علمائے کرام کی ایک جماعت نے اس کی اجازت دی ہے حضرت مولانا تقی عثمانی نے اپنی کتاب ''اسلام اور سیاست'' میں اس پر تفصیل سے بات کی ہے اور انہوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ باحالات موجودہ جب کہ خلافت کا پوری دنیا میں عملاً وجود نہیں اس دوسری رائے کو اس معنیٰ میں اختیار کرنے کی گنجائش ہے کہ ہم سمجھیں کہ موجودہ حکمران باوجود یہ کہ کسی خلیفہ کے نائب نہیں اگر ان کے احکامات خلاف شریعت نہ ہوں تو ہم اس کو ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اگر اس کی بنیاد لسانیت پر ہے تو یہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ اس لئے پاکستان کی بنیاد لسانیت نہیں تھی۔ دو قومی نظریہ تھا جو مسلمانوں اور ہندوؤں کا تھا یہاں تک تو ٹھیک ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ہم سرائیکی، سندھی یا بلوچی ہیں اور الگ ہو جاتے ہیں۔ یعنی لسانی بنیادوں پر الگ خطہ اراضی کا مانگنا اس کا اسلام میں کوئی تصور نہیں بلکہ ممانعت ہے۔

ہمارے آئین کے بنانے میں علماء کا کیا کردار ہے؟ آپ کو معلوم ہے کہ 1956 میں 31 علمائے کرام نے ایک 22 نکاتی فارمولہ بنا دیا وہ بہت شاندار ہے۔ لیکن جو اگلا آئین بنا اس میں یہ نکات پوری طرح مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ اگر ابھی بھی ان کے مطابق کچھ ہو جائے تو بہت سارے ابہامات دور ہو سکتے ہیں۔ اس کی شق نمبر 7 یا 8 میں یہ بات صاف لکھی ہوئی ہے کہ صدر ملک کے عام فرد کی طرح ہوگا اس کو قانون سے کوئی استثنیٰ حاصل نہیں ہوگا۔ لیکن جب آئین بنایا گیا تو صدر کو استثنیٰ دے دیا گیا۔ باقی چیزیں بحیثیت مجموعی اسلامی ہیں لیکن ان میں بہتری کی گنجائش موجود ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا کاشف شیخ

پرنسپل مدرسۃ الانصار کراچی

مدینہ کی فلاحی ریاست، آج بھی ہمارے لئے ایک آئیڈیل ہے اور کسی بھی اسلامی فلاحی ریاست کے لئے رول ماڈل ہے۔ اس سلسلے میں نبی اکرمؐ کے دو ارشادات پیش کروں گا۔ حکمران بہتر اور بہترین بھی ہو سکتے ہیں ناپسندیدہ بھی ہو سکتے ہیں۔ نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ بہترین حکمران وہ ہونگے جنہیں تم پسند کرو گے اور وہ تمہیں پسند کریں گے تم ان کے لئے دعائیں کرو گے وہ تمہارے لئے دعائیں کریں گے اور رحمت کا باعث بنیں گے۔ اسی کے ساتھ آپؐ نے ناپسندیدہ حکمرانوں کے بارے میں بھی بتا دیا کہ بدترین حکمران وہ ہوں گے جنہیں تم ناپسند کرو گے اور وہ تمہیں ناپسند کریں گے تم ان پر لعنت کرو گے وہ تم پر لعنت کریں گے۔ دوسری روایت میں جو سنن ابن ماجہ کی ہے جس میں نبی اکرمؐ نے امامت صغریٰ کے حوالے سے ذکر فرمایا کہ تین افراد ایسے ہیں کہ جن کے سروں سے نماز ایک گز برابر بھی اوپر نہیں جاتی ان میں سب سے پہلے اس شخص کا ذکر فرمایا جو کسی قوم کو نماز پڑھائے یا امامت کرے اور لوگ اسے ناپسند کریں۔ جہاں امامت صغریٰ کی یہ اہمیت ہے کیا امامت کبریٰ کے لحاظ سے اسلام کی کوئی تعلیمات نہیں ہوں گی۔

جب ہم اسلامی تاریخ کو پڑھتے ہیں تو ہمارے سامنے ایسے مفکرین کی طویل قطار ہے جو خود سیاست کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو پیش کرتے ہیں۔ آج یہ کہنا آسان ہے کہ جمہوریت کے تمام ثمرات مغرب کے طفیل ہیں کیونکہ ہر طرف مغربی تہذیب کا ڈنکا بج رہا ہے لیکن یہ بھی تو دیکھنا چاہئے کہ اس کی اساس کہاں سے ہے۔ یونان کی ریاستیں ایتھنز اور سپارٹا کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو بہت دھندلا تصور ہے۔ ان معلومات کے بنیادی ذرائع کیا ہیں؟ کیا سیاسیات کے ماہر بتا سکتے ہیں کہ اسلام نے جو تصورِ ریاست دیا وہ تو بہت واضح ہے مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہم اس کو مغرب کی یلغار کے آگے اجاگر نہیں کر پائے۔ آج اگر مغربی تہذیب میں تھوڑی بہت خوبیاں ہیں بھی تو وہ اسلام کے مرہونِ منت ہیں۔ حکومت کی اصلاح کے لئے پرامن طریقہ ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ منتخب کئے گئے تو فرماتے ہیں کہ اگر تم مجھے حق پر پاؤ تو میری مدد کرو اور اگر تم کسی مرحلے پر یہ محسوس کرو کہ میں حق سے ہٹ رہا ہوں تو مجھے درست راستے پر لانے کی کوشش کرو،

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حضرت عمرؓ کا ارشاد مبارک بھی ہمارے سامنے رہے کہ اگر مجھ میں کوئی ٹیڑھ محسوس کرو تو مجھے سیدھا کرو۔

شورائیت کا ذکر قرآن کریم میں جا بجا ہے۔ نبی اکرمؐ نے خود اس کا اہتمام کیا۔ شورائیت کے لئے طریقہ کار جو بھی ہو، خلافت راشدہ سے بہت سارے نظائر مل سکتے ہیں نبی اکرمؐ کی تعلیمات، قرآن حکیم نے بھی جا بجا اشارے دیئے ہم اس کو سامنے رکھ سکتے ہیں۔ ووٹ کے بارے میں جب ہم بات کرتے ہیں کہ عوام کو رائے دینے کا کتنا حق ہے؟ خواتین کے ووٹ کے حق پر بات کی جاتی ہے۔ ووٹ کے بارے میں تو قرآن کریم خود کہہ رہا ہے کہ شہادت کو چھپانا گناہ ہے اس کا مطلب ہے کہ جو ووٹ نہیں دیتا وہ گناہ کا ارتکاب کرتا ہے۔ ووٹ دینا بھی ایک طرح کی شہادت ہے کہ آپ اچھے لوگوں کی شہادت دیتے ہیں۔ اس توسط سے قانون سازی میں عوام کو شرکت کا حق ہے خواتین مشورہ دے سکتی ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فوجداری مقدمات میں حدود و قصاص کے علاوہ دوسرے مقدمات میں عورت قاضیہ بن سکتی ہے۔ اس اعتبار سے کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ عورت رائے دے سکتی ہے۔ قرآنِ حکیم میں اس میں کوئی فرق بھی نہیں رکھا گیا۔ رہ گئی یہ بات کہ کیا حکومت پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے یہ وہ معاملات ہیں کہ جن پر ہم کوئی رائے نہیں دے سکتے ہمارے اکابرین اس پر رائے دیں۔

قانون سازی میں مغربی جمہوریت میں اکثریت کی رائے کو اہمیت حاصل ہے جبکہ شریعت کہتی ہے کہ قرآن وسنت برتر ہے۔ پاکستان کے آئین میں اس کا بندوبست کر دیا گیا ہے کہ اس میں شریعت کو سپریمسی حاصل ہے۔ اب یہ سوال ہم سب کے لئے ہے کہ ایسا عملاً کیوں نہیں ہے۔ اس میں کیا رکاوٹیں ہیں کہاں کہاں مشکلات درپیش ہیں اور ان کو کیسے دور کیا جا سکتا ہے البتہ اجتہادی اور انتظامی معاملات میں پارلیمنٹ کھل کر قانون سازی کر سکتی ہے اس کے لئے حدود بھی رکھی گئی ہیں۔ اسلامی نظریاتی کونسل ہے اس اعتبار سے اگر ہم پاکستان کے آئین کو دیکھیں تو چند جزوی نظائر کے علاوہ مجموعی طور پر پاکستان کے آئین کو اسلامی قرار دیا جا سکتا ہے اور یہ کہا جا سکتا ہے جب قرارداد مقاصد منظور ہو گئی تو ایک طرح سے پاکستانی ریاست نے کلمہ پڑھ لیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہو گئی اب کہاں کہاں سقم موجود ہیں۔ ان کو دور کرنے کے لئے ہم سب کا فرض

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بنتا ہے کہ ہم کچھ نہ کچھ کریں۔

علامہ عبدالخالق آفریدی

ڈائریکٹر جنرل شعبان الغرباء اہلِ حدیث کراچی

آئین کے اندر وہ شقیں جو غیر اسلامی ہیں ان سے ہم کس طرح نکل سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر صدر مملکت اور گورنر صاحبان جب عہدوں پر ہوں گے تو ان کے خلاف کوئی مقدمہ درج نہیں کیا جائے گا اور ان کے خلاف کاروائی نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح صدر پاکستان کا یہ اختیار کہ وہ کسی بھی مجرم کی سزا ختم کر سکتے ہیں کم کر سکتے ہیں، ملتوی کر سکتے ہیں یا بدل سکتے ہیں۔ اس لئے پاکستان کے آئین کو مجموعی طور پر اسلامی کہنا مجھ جیسے طالب علم کی سمجھ میں نہیں آتا۔ بات یہ ہے کہ ایک جج کو شواہد پیش ہوتے ہیں اور سارے مراحل سے گزر کر ایک مجرم کو سزا ہوتی ہے اس مجرم کو معاف کرنے کا اختیار قطعی طور پر صدر پاکستان کو حاصل نہیں ہونا چاہئے۔ قاتل کی سزا معاف کرنے کا اختیار مقتول کے وارثوں کو ہے چاہے وہ دیت لیں یا ویسے معاف کر دیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ زرداری کے دور میں سوئس بنکوں کا جو کیس تھا اس کا تماشہ بھی دنیا نے دیکھا۔ اسی طرح یہ کہنا کہ اقتدار کا سرچشمہ عوام ہیں، یہ نظریہ بھی مکمل طور پر قرآن سے متصادم ہے، قرآن مجید میں سورۃ یوسف میں ہے کہ حکم اقتدار اللہ رب العالمین کو حاصل ہے باقی نمائندے اللہ کے نائب ہیں۔ آئین کے اندر بہت ساری چیزیں اسلامی بھی موجود ہیں مثال کے طور پر صدر پاکستان کیلئے مسلمان ہونا ضروری ہے۔ ہم یہاں یہ بحث کر رہے ہیں اسلامی اور غیر اسلامی کی، میں آپ کے سامنے یہ انکشاف کر دوں کہ گزشتہ دو مہینے سے امن اور برداشت کے فورموں پر یہ بحث ہو رہی ہے کہ پاکستان کے صدر کے لئے مسلمان ہونے کی شرط کیوں رکھی گئی ہے۔ یہاں عیسائی اور سکھ موجود ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ شرط ختم کر دی جائے۔ اکابر علماء نے اس آئین پر دستخط اس شرط پر کئے تھے کہ دس سال میں غیر شرعی قوانین ختم کر دیئے جائیں گے۔ اب اگر یہ قوانین ختم نہیں ہوئے تو اس میں ہمارا ایک کردار ہونا چاہئے اور ہماری ایک قوتِ مزاحمت ہونی چاہئے تاکہ آئین کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جا سکے۔ اس آئین کو ہم یکسر رد نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ اس آئین میں قادیانیوں کو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔

پروفیسر مرزا عامر بیگ

ڈائریکٹر الصفہ اکیڈمی کراچی

اس وقت دنیا میں حکمرانی کے جو طریقہ کار مروج ہیں وہ یا تو Authoritarian ہیں یا ڈیموکریٹک ہیں یا پھر Consultative ہیں۔ Authoritarian فارم آف لیڈرشپ یا رولنگ پاور میں حاکم آمر ہوتا ہے۔ وہ جس چیز کو صحیح سمجھتا ہے اس کو نافذ کرتا ہے اس کے مقابلے میں کسی بات کو نہیں مانتا۔ دوسری فارم ڈیموکریٹک ہے کہ جمہور نے جو رائے دے دی حاکم وقت اسے ماننے کا پابند ہے۔ یہ دونوں طریقے اسلامی رواج کے خلاف ہیں۔ تیسری فارم Consultative یعنی ایک شورائی مجلس ہو۔ شوریٰ حاکمِ وقت کو مشورہ دے۔ اگر وہ سمجھے کہ یہ امت کے مفاد میں ہے تو وہ اس پر عمل درآمد کروا سکتا ہے لیکن وہ اس رائے کو ماننے کا پابند نہیں ہے اگر وہ اس کے خلاف بھی فیصلہ کرتا ہے تو وہ اس کا اختیار رکھتا ہے جیسے خلفائے راشدین خاص طور پر صدیق اکبرؓ کے دور میں جب ارتداد کے مسائل پیدا ہوئے تو اس میں جمہور کی رائے یہ تھی کہ جنگ نہ کی جائے۔ یہاں تک کہ حضرت عمر فاروقؓ نے بھی نبوت کے جھوٹے دعوے داروں اور منکرین زکواۃ کے خلاف ایکشن لینے سے باز فرمایا کہ ابھی حالات سازگار نہیں ہیں ہمیں ان کے خلاف جنگ نہیں کرنی چاہئے۔ لیکن حضرت صدیق اکبرؓ نے کہا میں ان کے خلاف جنگ کروں گا یہاں تک کے ہم سب ہلاک بھی ہو جائیں پھر بھی ان کے خلاف جنگ کروں گا۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام Consultative فارم آف لیڈرشپ کو سپورٹ کرتا ہے۔ جہاں تک طرزِ انتخاب کی بات ہے کہ حکمران کو منتخب کرنے کا طریقہ کار کیا ہو۔ اس سے پہلے بھی کہا گیا کہ چاروں خلفائے راشدین کا انتخاب الگ الگ انداز سے ہوا لیکن چاروں خلفائے راشدین کے انتخاب میں ایک قدر مشترک ہے کہ کسی نے بھی خود کو خلافت کے لئے پیش نہیں کیا۔ جب کہ آج ہر ایک دعویٰ کرتا ہے کہ میں وزارتِ عظمیٰ کا سب سے بڑا حق دار ہوں۔ اسلام جو نظام خلافت دیکھنا چاہتا ہے اس میں کسی کو بھی حق حاصل نہیں ہے کہ وہ خود اپنے آپ کو امامت کے لئے پیش کرے۔ ہاں ایک ایسی جماعت جو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرتبے کے لحاظ سے اس مقام پر ہو امیر کو منتخب کرے اور اس کے فیصلے کو عامتہ المسلمین قبول کریں۔ اس کے لئے طریقہ کار وضع کیا جا سکتا ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ کسی عام آدمی کے ووٹ کو کسی ڈاکٹر، کسی عالم یا مجتہد کے ووٹ کے برابر کر دیا جائے بس ایک ایسا طریقہ کار وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک ایسی مشاورتی تنظیم بنائی جائے جس میں ایسے افراد موجود ہوں جو تقویٰ، علم، رشد اور عقل کے اعتبار سے اس مقام پر فائز ہوں کہ ان کے فیصلے عامتہ الناس قبول کریں وہ متعین کریں کہ ہمارا حکمران کون ہوگا اور کن خصوصیات کا مالک ہوگا۔ حاکم کی خصوصیات کے حوالے سے قرآن سے مختلف اشارے ملتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے طالوت کو بنی اسرائیل پر حاکم بنایا کہ وہ علم اور جسمانی طاقت کے اعتبار سے دوسرے لوگوں سے زیادہ بہتر تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکمرانی کا تحفہ عطا فرمایا۔ کہیں حفیظ وامین ہونا شرط قرار دیا گیا اور کہیں کہا کہ تم میں سب سے زیادہ بہتر شخص وہ ہے جس میں تقویٰ ہو۔ اسلام کا طریقہ کار ضرور مختلف ہو سکتا ہے مگر ان معیارات کو ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا جن کا تعین قرآن وحدیث نے کر دیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے خلیفہ منتخب ہونے کے بعد ارشاد فرمایا جو ''البدایہ والنہایہ'' کے اندر بھی ہے کہ خدا کی قسم! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تمہیں غلام بنائے رکھوں بلکہ میں اللہ کا غلام ہوں پس حکمرانی کی ذمہ داری میرے سپرد ہے اگر میں اس کو امانت سمجھ کر تمہیں واپس کر دوں اور خدمت کے لئے تمہارے پیچھے پیچھے چلوں تو میں نے حق ادا کر دیا لیکن اگر تم اپنے مطالبہء حقوق کے لئے میرے پیچھے پیچھے چلو تو پھر میں کل اللہ کے سامنے جوابدہ ہوں گا۔ چنانچہ حاکم کا کام ہے کہ وہ عوام کے پیچھے جائے نہ کہ عوام درخواستیں لے کر ان کے پیچھے دوڑتی رہے۔ نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ جس بندے کو اللہ نے حکمران بنایا اور اس نے رعایا کے ساتھ خیر خواہی برتنے میں لاپروائی کی وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھ سکتا۔ ہمارے وہ حکمران جو جھوٹے وعدے کر کے اقتدار کی سند پر پہنچتے ہیں انہیں یہ سوچنا چاہئے کہ جس نشست کو وہ پھولوں کی سیج سمجھ رہے ہیں وہ ان کے لئے جہنم کی آگ کا سامان بھی ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کل ان کو جوابدہ ہونا پڑے گا کہ انہوں نے جو ذمہ داری لی ہے اسے پورا کیا کہ نہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کہتے ہیں کہ اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوکا مر جاتا ہے تو عمر سے کل اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ یہاں ہزاروں لوگ قتل کر دیئے جاتے ہیں اور کوئی پرسانِ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حال نہیں۔

جب تقسیم کا وقت آیا تو خدشہ تھا کہ جو نظام انگریز یہاں لاگو کرنا چاہتا تھا اس کے تحت ہندوؤں کا اکثریت تھی اور اقتدار ان کے پاس ہی رہتا۔ چنانچہ اس وقت کے علماء اور مفکرین نے اس بات کو محسوس کیا کہ وہ علاقے جہاں پر مسلمانوں کے اکثریت ہے وہاں اسلامی ریاست بنے۔ جہاں پر مسلمان اپنی تہذیب ثقافت اور اپنی مذہبی اقدار کے مطابق زندگی گزار سکیں۔ آج بعض لوگ خاص طور پر قائداعظم کے حوالے سے کہتے ہیں کہ شاید وہ سیکولر تھے اور پاکستان کو ایک سیکولر سٹیٹ بنانا چاہتے تھے۔ جس کو ہم قراردادِ مقاصد کہتے ہیں وہ 1949ء میں خود لیاقت علی خان نے پیش کی اور لیاقت علی خان وہ لیڈر ہیں جنہوں نے قائداعظم کے شانہ بشانہ تحریک پاکستان کے لئے جدوجہد کی۔

جب پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی میں لیاقت علی خان قرارداد پیش کر رہے ہیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہوگا اور یہاں قرآن وسنت کے خلاف کوئی قانون نہیں بن سکے گا۔ اس وقت کی اسمبلی میں اکثریت ان لوگوں کی تھی جنہوں نے تحریک پاکستان میں حصہ لیا تھا۔ اگر وہ پاکستان کو سیکولر سٹیٹ دیکھنا چاہتے تو کبھی بھی اس قرارداد کو منظور نہ کرتے۔ یہی قراردادِ مقاصد بعد ازاں 1956ء اور پھر 1973 کے دستور کا حصہ بھی بنی۔ معلوم یہ ہوا کہ جو اس وقت کے لیڈر تھے جنھوں نے پاکستان کا مطالبہ کیا تھا انہیں معلوم تھا کہ ہمارا مقصد مسلمانوں کے لئے علیحدہ ریاست تھا جہاں قرآن وسنت کے مطابق زندگی گزاری جا سکے اور ہندوؤں کے جبر واستداد سے ان کی آزادی مل سکے اس لئے جس سرزمین پر مسلمانوں کو خطرہ ہو تو اس پر مسلمانوں کیلئے علیحدہ ریاست کی کوشش کرنا خلاف اسلام نہیں بلکہ اسلام کے عین مطابق ہے۔ جہاں تک آئین کے اسلامی یا غیر اسلامی ہونے کا تعلق ہے تو میں کہوں گا کہ اپنی روح کے اعتبار سے یہ اسلامی ہے مگر اس پر عمل درآمد کے حوالے سے ابہامات پائے جاتے ہیں۔ موجودہ حالات میں ہمارے لئے سب سے بہتر راستہ سیدنا مجدد الف ثانیؒ کی تحریک ہے۔ جس طریقے سے اکبری دوری کے خلاف آپ نے جدوجہد کی اور تن تنہا انقلاب برپا کیا حالانکہ وہاں تو دین اسلام کو اور اسلامی معاشرہ کو مسخ کیا جا رہا تھا، اسلامی احکامات کا مذاق اڑایا جا رہا تھا۔ اسلام اور دیگر مذاہب کو آپس میں ملا کر ایک نیا دین گھڑا جا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

رہا تھا ایسی صورتحال کے اندر مجدد الف ثانیؒ کا انقلاب ہمارے لئے مشعلِ راہ ہے اور انہوں نے طالبان کی طرح پہاڑوں پر چڑھ کر جہاد شروع نہیں کیا بلکہ انہوں نے کوشش کی کہ بادشاہ کے مصاحبین کی اصلاح کی جائے۔ اگر بادشاہ کے مشیر اور قریبی لوگ ٹھیک ہو گئے تو وہ بادشاہ کو صحیح رائے دیں گے جس کے بعد نظامِ حکومت خود بخود بہتر ہو جائے گا۔ آج بھی اگر ہمارے علمائے دین بجائے جہاد کا حکم دیں پہلے مرحلے کے اندر وہ پارلیمان کے اندر کے لوگوں اور وزیر اعظم کے قریبی افراد پر توجہ کریں اور ان کی اصلاح کریں تا کہ وزیر اعظم کو بہتر مشورے ملیں اور ہمارا نظام حکومت بہتر ہو سکے۔

جناب مولانا سید احمد بنوری

مدرس جامعہ اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن

اسلام کا نظام حکومت و ریاست، مجھے کہنے دیجئے کہ یہ ایک پامال موضوع ہے اس صدی میں اس پر جتنا کام ہوا ہے اور جتنی تحریریں سامنے آئی ہیں شاید ہی کسی اور موضوع پر کام کیا گیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ مطالبہ بھی ہمارے سامنے کیا گیا کہ اسلامی قانون میں اجتہادی شان نظر نہیں آتی اور اجتہادی طریقے سے نئی چیزوں پر کام نہیں کیا گیا یہ ایک واحد کام ہے جس پر بہت کام کیا گیا۔ تا حال کتابیں لکھی جا رہی ہیں دوسری دلچسپ بات یہ ہے کہ تجربات بھی کئے گئے ہیں۔ مجھے کہنے دیجئے کہ مسلمانوں نے اگر کوئی کام کیا ہے تو یہی کام کیا کہ مسلمانوں کا تصور ریاست کیا ہے؟ حکومت کیسی ہونی چاہئے؟ حکومت قائم کیسے قائم کرنی چاہئے؟ اس کے لئے تمام تجربے بھی انہوں نے کر ڈالے۔ سیاسی جماعتیں بنائی گئیں، سعودی عرب میں بادشاہت کو اسلامائز کیا گیا۔ ایک خاص مقصد کے لئے ایران کے اندر تھیوکریسی کا نظام قائم کیا گیا۔ دوسرے طریقے سے افغانستان میں نظام لایا گیا۔ پاکستان ایک جمہوری سوچ، اقبال اور قائداعظم کی سوچ کا نمائندہ ہوا۔ اس کے باوجود آج تک یہ سمجھ نہیں آیا کہ ہم کہنا کیا چاہتے ہیں اور کرنا کیا چاہتے ہیں۔ میں طالبعلمانہ رائے کے تحت مسئلے کے ابہام کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں کہ مسئلہ پیدا کیوں ہوا۔ ہم چیزوں کو ان کے مظاہر سے اٹھاتے ہیں۔ مثلاً آپ سے میں سوال پوچھتا ہوں کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے تصور میں ہوٹل کیسا ہوگا۔ ہوٹل کیسے قائم کئے جاتا ہے۔ مثلاً اس کے اندر کمرے کتنے ہوں گے۔ لابی ہوگی! سوئمنگ پول ہوگا! ایک رائے یہ بھی ہوگی کہ اسلام میں ہوٹل نہیں تھے اس لئے ہوٹل ہونے ہی نہیں چاہیں۔ یا پھر مشابہتیں تلاش کریں گے کہ فلاں زمانے میں سرائے تھی اس کے پیچھے ایک تالاب تھا اس لئے اسلام میں پول بھی ہوتا ہے۔ اس لئے اسلام کے تصور ہوٹل میں پول بھی ہونا چاہئے۔ یہ وہ مخمصہ ہے کہ جس کی وجہ سے پوری ایک صدی کام ہونے کے باوجود آج ایک بار پھر ہم یہ طے کرنے بیٹھے ہیں کہ ہم اس کے بارے میں طے شدہ رائے رکھیں۔ اس لئے میری رائے یہ ہوگی کہ ہم ٹوڈی پوائنٹ کچھ چیزیں طے کروانے کی کوشش کریں۔ ورنہ اسلام کے طرزِ ریاست میں جتنا آپ پوچھتے چلیں جائیں گے وہ اپنے مطابق آپ کو بتاتا چلا جائے گا۔ نہ اس کا حل پیش ہوگا نہ معاملہ حل ہو سکے گا۔ بڑا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے چیزوں کو اسلام کے سابقے اور لاحقے میں دیکھنے کی کوشش کی کہ اسلام سے مطالبہ کریں کہ وہ ہمیں ریاست کا تصور دے دے۔ اسلام ہمیں پورے کا پورا بینکنگ سسٹم دے دے۔ اسلام بتائے کہ سکول کے اندر کلاس کس طرح ہونی چاہئے۔ اسلام ہمیں بتائے کہ فوج کے اندر رینکنگ کیا ہونی چاہئے۔ اور اگر یہ چیزیں نہیں ملیں گی تو ہم دو کام کریں گے یا تو اس کو سرے سے غیر اسلامی قرار دیں گے یا پھر برقعہ پہنا کر اسے اسلام بنانے کی کوشش کرینگے۔ اسلام کے اندر برقعہ پہنا کر اسلامائزیشن کا بڑا دلچسپ کام ہوا ہے۔ اسلام خدا کا دین ہے وہ محمدؐ رسول اللہ سے شروع نہیں ہوا آدمؑ سے شروع ہوا۔ یہ پیغمبری کے ذریعے انسانوں کو آگاہ کرتا ہے۔ نظام انسان بنایا کرتے ہیں ریاستیں انسان بنایا کرتے ہیں اس میں تجربات شامل ہوتے ہیں اس میں تمدن شامل ہوتا ہے اس کے اندر تہذیبوں کا ارتقاء شامل ہوتا ہے۔ اسلام کے اصولوں کی روشنی میں دیکھتے ہیں کہ کیا اس میں اصول کی غلطی ہوگئی یا اصولاً یہ چیز غلط ہے یا اصول تو صحیح ہوگیا ہے مگر عمل درآمد میں غلطی ہوگئی ہے پھر میں ہوٹل کی مثال دوں گا کہ اسلامی ہوٹل کوئی نہیں ہوگا۔ صرف اتنا دیکھنا پڑے گا کہ کیا اسلام میں اس بات کی گنجائش موجود ہے کہ کہیں پر انسان اجنبی طور پر کسی شہر میں جائے تو کرائے پر مکان لے کر رہنا شروع کر دے اس کے بعد ہوٹل، فائیو سٹار، سیون سٹار یہ معاشرے میں تمدن کی ضرورت کے طور پر دیکھیں جائیں گے یا یہ دیکھا جائے گا کہ اس کی گنجائش ہے یا نہیں۔ اہم چیز یہ دیکھی جائے گی کہ اگر ہوٹل

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن گیا ہے کیا اس کو اسلامی اصولوں کے مطابق چلایا جا رہا ہے، کوئی دھوکا دہی تو نہیں ہو رہی غیر اخلاقی حرکت تو نہیں ہو رہی ان چیزوں سے فیصلہ کرنا ہوگا کہ ہم اس کو درست قرار دیں یا نہ دیں۔ یہاں جمہوریت پر گفتگو ہوئی ہے۔ یہ بات بڑی سادہ ہے کہ جمہوریت ارتقاء سے گزری ہے اور اس میں نئی نئی تبدیلیاں آتی چلی گئیں۔ جو سادہ مسئلہ ہے اس کو حل کیجئے۔ میرے خیال میں علماء کو دو ٹوک طریقے سے اپنی رائے سامنے رکھ دینی چاہئے وہ یہ کہ حکومت کیسے قائم ہو۔ منطق کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کی وجہ سے اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں یا تو خدا ہمارے لئے ایک چیز طے کر دے اور بتائے کہ یوں کیا جائے گا۔ خدا عملاً طے کر دے کہ تم میں سے فلاں آدمی بڑا ہوگا پیغمبر بھی خدا کے نمائندے بن کر آتے ہیں اور وہ خدا کے نمائندے کی حیثیت سے لوگوں کو مجبور کرتے ہیں کہ ان کی تعلیمات پر عمل کیا جائے۔ اس کے بعد منطقی طور پر دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں کہ یا تو ہم آپس میں اتفاق رائے سے فیصلہ کر لیں اگر ایسا نہ ہو سکے تو اکثریت سے فیصلہ کر لیں ورنہ جس کی لاٹھی اس کی بھینس کی طرح غلبہ قائم کر لیں۔ حکومت کیسے قائم ہوگی۔ تصور ریاست کے بارے میں دو چیزوں کا آپ کو فیصلہ کرنا ہے یا تو بتا دیجئے کہ کس آدمی کو حکمرانی کا حق اللہ نے دیا ہے۔ وہ پیغمبر کے بعد کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد دو ہی صورتیں ہیں یا تو غلبے سے حکومت قائم ہوگی یا اتفاق رائے سے قائم ہوگی۔

یہ چیز اسلام کے اول دور کے اندر میں ہی طے ہو گئی تھی۔ آپؐ کی جانشینی وہ پہلا مرحلہ تھا جس کے بعد فیصلہ ہو گیا اور ہم جانتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں گروہ بندی ہو گئی۔ یہ پہلی گروہ بندی تھی جس کے نتیجے میں شیعہ حضرات اور سنی حضرات الگ الگ حیثیت میں سامنے آئے۔ گروہ بندی کس نام سے ہوئی کہ آیا امامت منصوص ہوتی ہے اس کا تقرر پیغمبر کرتا ہے یا اس کا تقرر عوام کرتی ہے۔ شیعہ حضرات کی رائے تھی اور وہ اس رائے کے ساتھ دلائل پر قائم ہیں کہ امامت اصل میں منصوص ہوتی ہے اور اس کا تقرر پیغمبر کر کے جایا کرتے ہیں اور پیغمبر ہی کو کر کے جانا چاہئے۔ دوسری رائے اہل سنت حضرات کی یہ تھی کہ اب جو کچھ بھی ہوگا عوام فیصلہ کرے گی عامۃ المسلمین طے کریں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خلافت اس بنیاد پر قائم ہوئی اور یہ چیز اہلسنت کا شعار بن گئی کہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہمارے لئے امامت منصوص نہیں ہوگی۔ اب اگلا سوال جس سے ابہامات جنم لیتے ہیں کہ عوام نے فیصلہ کرنا ہے اور اگر اس کے بارے میں آپ ایک سے زائد رائے اختیار کریں۔ اس کے لئے شوریٰ کا لفظ استعمال ہوا، یہ چار طریقے نہیں ایک ہزار ہو سکتے ہیں تبدیلیاں آ رہی ہیں آپ دیکھیں گے کہ ووٹر میں بالغ رائے دہی کی بنیاد پر فرق آ رہا ہے۔ یہ فرق اور بڑھتا چلا جائے گا۔ ہم جانتے ہیں کہ سوئٹزرلینڈ کے اندر عورت کو ووٹ کا حق گزشتہ صدی کے اندر حاصل نہیں تھا یہ بہت قریبی زمانے میں ان کو دیا گیا۔ اس لئے کہ معاشرے اور تمدن کے ساتھ آپ فیصلے کریں گے کہ آپ نے کس سے رائے لینی ہے لیکن یہ بات چاروں خلفاء نے طے کی کہ حکومت اصطلاحاً حاصل نہیں ہو سکتی یہ عوام کی رائے سے حاصل ہوگی اور اس کو حضرت عمر فاروقؓ نے بخاری کی روایت میں واضح فرما دیا ہے کہ مسلمانوں کی رائے کے بغیر خلافت نہیں ہو سکتی۔ جناب حسینؓ کا معاملہ جب درپیش ہو تو ان کے بارے میں دو رائے ضرور تھیں کہ آیا ان کو یہ اقدام کرنا چاہئے تھا یا اس اقدام کی حیثیت کیا تھی مگر اس میں کوئی اختلاف نہیں رہا کہ یزید کی حکمرانی غلط تھی۔ اس لئے کہ وہ عدل کی بنیاد پر نہیں تھی۔ ہمارے ہاں عوام کی مرضی کے بغیر حکمرانی کا کوئی جواز نہیں۔ اس لئے میرا آپ سے سوال ہے کہ اگر ووٹ کا حق اس کمرے میں صرف اس شخص کو ملنا چاہئے جس کی ٹوپی بڑی ہو، جس کے پاس علم زیادہ ہو، اس بات کو آپ طے کیسے کریں گے یہ سوال ہے۔ ہر سوال پر دوسرا سوال آ جائے گا یہاں پر کہا گیا کہ اہل علم کو ووٹ کا حق ملنا چاہئے۔ سوال یہ ہے کہ اہل علم کون ہو گا۔ دو ہی طریقے ہیں کہ یہاں موجود اکثریت فیصلہ کرے کہ اہل علم کون ہے یا وہ زبردستی خود کو منوا لے گا۔ ہمارے ہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ پاکستان میں ہر آدمی کو ووٹ کا حق نہیں ہوگا۔ سوال یہ ہے کہ آپ کیوں کہتے ہیں کہ 18 سال کا آدمی جاہل ہے اگر آپ عالم ہیں تو 18 سال والا آپ کو خود بخود عالم مانے گا۔ میں اس بات میں بالکل واضح ہوں کہ اسلام کے اندر جو بھی ریاست کا نظام قائم ہوگا وہ بہرکیف عوام کی مرضی کے ساتھ قائم ہوگا۔

سوال یہ ہے کہ بندہ بالغ ہونے کے بعد اپنے فیصلے خود کرتا ہے آپ اسے سمجھا سکتے ہیں فیصلہ اس کو خود کرنا ہے۔ پھر آپ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس کے نام پر میں زبردستی کروں گا۔ لہٰذا میرے نزدیک فرد آزاد ہے اور وہ پابند ہے اپنے اللہ کے حضور۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثریت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیا حق و باطل کا معیار بنے گی۔ کوئی اقلیت خود کو حق کا نمائندہ قرار دے کر اکثریت پر حکمرانی نہیں کر سکتی اس کی کوئی گنجائش اسلام کے اندر نہیں۔۔ اس لئے میرا نقطہ یہ ہے کہ علمائے کرام سمجھ لیں کہ دنیا میں آپ کو خلافت نافذ کرنی ہے، جمہوریت لانی ہے یا سیکولرازم۔ یہ سب زبردستی کی بنیاد پر نہیں ہوسکتا۔ یہ اسلام کا حکم ہے کہ ہم پر زبردستی کرنے کا حق کسی کو نہیں جس کو کرنا ہے اکثریت کی بنیاد پر صرف وقتی طور پر فیصلے کر سکتا ہے۔ اس کو ایک مثال سے واضح کروں کہ شراب پاکستان میں بھی حرام ہے اور اللہ کے ہاں بھی۔ برطانیہ میں بھی حرام ہے اللہ کے ہاں۔ لیکن فرق یہ ہے کہ چونکہ برطانیہ میں اللہ کے ماننے والوں کی اکثریت نہیں ہے لہذا شراب قانوناً جائز ہو جائے گی۔ پاکستان میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت ہے لہٰذا شراب قانوناً بھی حرام ہو جائے گی۔

اس کے بعد آپ نے کہا کہ علیحدہ وطن یا ریاست کے بارے میں اپنی ناقص رائے دوں، میرے نزدیک یہ تمدن کا ارتقاء ہے اس کا فیصلہ ایک صدی بعد ہی ہو گیا تھا۔ بنو امیہ اور بنو عباس کی دو الگ سلطنتیں مسلمانوں میں قائم رہیں۔ فقہاء نے بات کی کہ ایک سے زیادہ امیر نہیں ہونے چاہیں ان کا یہ اصول نہیں تھا کہ وہ کسی تمدنی ارتقاء کا رستہ روکنا چاہ رہے تھے سیدھا اصول یہ تھا کہ ایک سے زائد امیر ہوں گے تو اختلاف ہوگا۔ یعنی ایک کمرے میں اگر ہم رہیں گے تو کسی ایک کو بڑا بنائیں گے یہ ان حدیثوں کی بنیاد ہے کہ جن میں کہا گیا کہ ایک امیر کی موجودگی میں دوسرا امیر نہ ہو۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس روایت پر ہم پورے مسلمانوں کا ایک خلیفہ ماننے کو تیار ہیں لیکن پاکستان کے اندر ہر کوئی نئی خلافت قائم کرنے کے لئے بے تاب نظر آتا ہے۔ پوری دنیا میں ایک خلافت ہونی چاہئے لیکن ہر دوسرے محلے میں الگ خلافت ہونی چاہئے جو دست گریبان بھی رہیں۔ میرے نزدیک اس ایک نقطے پر اگر ہم نہیں آئیں گے تو فیصلہ کون کرے گا۔ میں بھی قرآن بیان کر رہا ہوں مولانا اعجاز حیدر صاحب بھی قرآن ہی بیان کریں گے۔ مولانا سلفی صاحب نے بھی قرآن بیان کیا ہے اب ہم تینوں میں اختلاف ہوا ہے، فیصلہ کون کرے گا۔ پاکستان میں بھی اکثریت سے فیصلے ہوتے ہیں۔ میں ایک بات کہوں گا کہ اسلام کے اندر کسی کو حق نہیں ہے کہ اکثریت کے خلاف کوئی اقلیت ہم پر حکمرانی کر سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا اعجاز حیدر مظہری
ریسرچ سکالر الزہرا اکیڈمی

قرآن کریم کا واضح فیصلہ ہے حکومت الٰہیہ ضرورت دین ہے۔ قرآن کریم میں کئی آیات ہیں کہ کسی کا حکم نہیں چلتا اللہ کے حکم کے بغیر، اس میں کسی کو شک نہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہمیں مغربی طرزِ حیات اپنانا ہے۔ حالانکہ مغرب کے ہاں انسانیت کا تصور نیا نیا ہے کئی ممالک نے خواتین کو ووٹ، وراثت کے حق حالیہ سالوں میں دیئے۔ یورپ کی تاریخ پڑھیں یہ لوگ قذاق تھے کیا ہمیں ان سے جمہوریت سیکھنی پڑے گی۔ ہمارے پاس الحمدللہ جمہوریت بطور اتم موجود ہے۔ ہماری جمہوریت عقلی ہے، کسی انسان کو کسی انسان پر حکومت کا حق نہیں ماسوائے دلیل کے، اب دلیل حکومت الٰہیہ کی ہے جس کے وارث انبیاء، اولیاء ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ ہمارے امام اس وقت پردہ غیب میں ہیں ہمارا فتویٰ بھی یہی ہے کہ جب امام تک رسائی نہ ہو تو علماء پر حکومت بنانا واجب ہے۔ ہمارے ہاں جمہوریت نسب بھی ہے اور انتخاب بھی، انتخاب کیا ہے ہر شخص جو مکلف ہے، ہماری فقہ میں نو سال کی بچی پر نماز بھی واجب ہے وہ مکلف ہوگئی۔ لڑکے میں یہ عمر ۱۵ سال ہے چنانچہ ہر وہ فرد جو شرعی لحاظ سے مکلف ہے ووٹ کا بھی حقدار ہے۔ مکلف کو حق رائے دہی ہے جس طرح مرد کو اس طرح عورت کو، عورت کو جب ووٹ کا حق ہے تو وہ پارلیمنٹ کی ممبر بھی بن سکتی ہے مگر حکمران نہیں بن سکتی اسلام کے اندر عورت حکمران نہیں بن سکتی۔ آپ واقعہ کو دیکھ لیں کہ جب ہدہد گیا تو اس نے بتایا کی مجھے حیرت ہے کہ وہاں عورت حکمران ہے۔ قرآن نے اس بات کو اور علماء نے واضح کیا ہے میں چند علماء کے نام لیتا ہوں علامہ ماوردی نے ایک کتاب لکھی ہے ''الاحکام السلطانیہ''، مولانا عبدالکریم خطیب نے ''الخلافت ولا مامہ''، ابن قدامہ نے معنی کے اندر تفصیل لکھی باقی تمام علماء نے مسئلہ کو طے کیا ہے۔ میں دو تین طریقے جس طرف علماء اشارہ فرما رہے تھے ایک یہ ہے کہ منصوص من اللہ، چونکہ اب وحی کا سلسلہ منقطع ہوگیا اصل رائے یہ ہے کہ اہل نظر افراد حاکم اسلامی کا انتخاب کریں گے حق رائے دہی سب کو ہے لیکن ان کو یہ حق نہیں کہ کسی فاسق شرابی کو منتخب کریں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ سید عقل انجم قادری

مدیر ماہنامہ افق وسیکرٹری جنرل جمعیت علمائے پاکستان سندھ

مجھے علماء کی ایک محفل میں جانے کا اتفاق ہوا وہاں پر موضوع بحث یہ تھا کہ سندھ اسمبلی نے اسلامی نظریاتی کونسل کے خلاف ایک قرارداد پاس کردی ہے۔ وہاں 1857ء کی جنگ آزادی سے بحث کا آغاز کیا گیا اور اعلان جہاد پر زور دیا جارہا تھا۔ میں نے عرض کی آج کیا وجہ ہے کہ پاکستان کی دیگر صوبائی اسمبلیوں کے اندر علماء اور مشائخ موجود ہیں لیکن سندھ اسمبلی کے اندر ایک بھی عالم یا عالم نما موجود نہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنے انتشار سے لبرل عناصر کو موقع دیا کہ وہ علماء کو اپنے برابر میں نہ بیٹھنے دیں۔ یہاں پر اہل علم افراد موجود ہیں ہم نے تمام دنیا کو دو حصوں میں رکھا ہے ایک امت اجابت اور ایک امتِ دعوت۔ میں نے کہا کہ جب آپ کفار کو، بتوں کو پوجنے والوں کو امتِ دعوت کے اندر سمجھتے ہیں۔ اسمبلی کے اندر بیٹھنے والے کلمہ طیبہ پڑھنے والے ہیں آپ ان کے خلاف اعلان جہاد نہ کریں ان کے خلاف انتہا پسندانہ فتوے اور فیصلے صادر نہ کریں بلکہ ان کے ذہن کو بدلنے کے لئے یہاں جو بات ڈاکٹر بیگ نے کی کہ کیسے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اپنے مکتوبات کے ذریعے اذہان کو تبدیل کیا اکبر کے اردگرد جو لوگ موجود تھے اور پھر دین الٰہی کا تیہ پانچہ ہوگیا۔

ہونا تو یہ چاہئے کہ یہاں پاکستان کی دینی وسیاسی جماعتوں کے قائدین تشریف فرما ہوتے، جو عوام کے اندر بات منوانے کی قدرت نافذہ رکھتے ہیں۔ ہم ٹھہرے ممبر پر بیٹھنے والے جن کے سامنے چار پانچ سو افراد ہوتے ہیں۔ پاکستان کے اندر اٹھارہ کروڑ افراد کے اذہان وہی تبدیل کرسکتے ہیں جو ان پر اثرات رکھتے ہیں دوسری بات یہ کی اس بحث کے اندر ان طبقات کو بھی بلایا جاتا جو اس جمہوریت کو کفر یا مباہ سمجھتے ہیں ان طبقات کے درمیان بحث ہوتی اور پھر کوئی فیصلہ ہوجاتا۔ ہاں ایک بات پر اتفاق سامنے آیا کہ جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرلیا جائے تو یہ ہمارے لئے قابل قبول ہے اس کے اندر سیکولرازم کو نکال دیا جائے کچھ اصولوں کو متعین کردیا جائے۔ تقوی کو معیار بنا دیا جائے تو یہ جمہوریت ہمارے لئے قابل قبول ہے۔ ایک بات جس کو ہمارے دینی طبقے نے بھی نظر انداز کردیا کہ 1970 سے لے کر 1977 تک میری جماعت کے قائدین علامہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

شاہ احمد نورانی ، جماعت اسلامی کے مولانا مودودی ،مولانا طفیل محمد صاحب،مولانا مفتی محمود صاحب، یہ تمام دینی جماعتیں اس بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے کہ ہر شخص اس بات کے لائق نہیں ہوتا کہ وہ اپنی قیادت کو منتخب کر سکے کیونکہ وہ علم وتقوے کے اس معیار پر فائز نہیں ہوتا چنانچہ ان لوگوں نے متناسب نمائندگی کا اصول متعین کیا تھا کہ جو جماعت جتنے ووٹ حاصل کرے اس کی بنیاد پر اس کی اسمبلی میں سیٹیں ہونی چاہیں۔ وہ جماعت اپنے اندر سے اہلِ علم اور اہلِ تقویٰ افراد کو اسمبلیوں میں بھیجے گی۔ جو جمہوریت ہمارے سامنے ہے مصیبت یہ ہے کہ پاکستان میں کوئی بھی چیز خالص نہیں ملتی ہر چیز دو نمبر ہے پاکستان کی جمہوریت بھی دو نمبر ہے۔ اس سے اس ملک کی آمریت بہتر ہے جہاں عدل ملتا ہے۔ پاکستان میں جمہوریت کے نام پر بوری بند لاشیں ملتی ہیں مگر مچھوں نے پورے ملک کی معیشت کو تباہ کر دیا ہے۔ آنے والی نسلوں کو مقروض کر کے چلے جاتے ہیں کوئی ان کو پوچھنے والا نہیں ہے۔ جب تک اصل جمہوریت سامنے نہیں آئے گی تب تک ہم کیسے فیصلہ کر سکتے ہیں کہ جمہوریت کیا ہوگی۔ پاکستان کے اندر 1973ء کا دستور نافذ ہے یہ واقعتاً ایک مقدس دستاویز ہے۔ جس کو اس وقت کے بااصول سیاستدانوں، جید علمائے کرام اور اہل علم نے اپنی تصدیق کی سند عطا کی۔ علامہ شاہ احمد نورانی، علامہ مفتی محمود صاحب، علامہ عبدالحق صاحب، علامہ مصطفیٰ الازہری صاحب، اور دیگر اکابر علماء مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب اور اس دور کے جتنے بھی سیاستدان تھے غوث بخش بزنجو، خان عبدالولی خان، ان لوگوں سے اختلاف ہو سکتا ہے لیکن ان کی اصول پسندی اور ان کے مخنتی کردار کے اندر ہم ان لوگوں سے اختلاف نہیں کر سکتے یہ با اصول لوگ تھے اور انہوں نے اس دستور کو اپنی سند عطا کی تھی۔ اس دستور کے اندر پہلی ترمیم کی گئی کہ ملک کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا یہ علامہ شاہ احمد نورانی نے کروائی۔ دوسری ترمیم میں مسلمان کی تعریف اور تیسری ترمیم کے ذریعے قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ اس دستور کے اندر قراردادِ مقاصد اور علماء کے بائیس نکات کو بھی شامل کیا گیا۔ اس دستور نے اسلامی نظریاتی کونسل کا تصور دیا۔ ضیاء الحق کے زمانے میں جسٹس ظلّ الرحمٰن کی سربراہی میں اسلامی نظریاتی کونسل بنی لیکن بدقسمتی سے یہ واحد آئینی ادارہ ہے جس کی ایک بھی سفارش پر آج تک عمل نہیں ہوا۔ لیکن یہ بات میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کے فیصلوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کو پاکستان میں اجماع کی حیثیت حاصل ہے کوئی اس پر اپنے مسلک کی مہر نہیں لگا سکتا۔ اسلامی نظریاتی کونسل میں آج سیاست اور رشوت کی بنیاد پر بھرتیاں ہوتی ہیں لیکن اگر اہل علم وہاں پر ہوں تو پاکستان کے اندر بہت سارے مسائل کو اسلام کے مطابق حل کیا جا سکتا ہے۔ جہاں تک نظام حکومت کا معاملہ ہے اس بات کو سب مانتے ہیں کہ اسلام بنیادی اصول فراہم کرتا ہے اس میں لچک بھی ہے۔ چاروں خلفاء کے انتخاب میں بنیادی اصول تقویٰ تھا۔ جبکہ طریقہ انتخاب مختلف ہے چنانچہ جب نظام نے سہولت دی ہے تو اس سے فائدہ اٹھائیں اور کفر کا فتویٰ صادر کرنے سے اپنے آپ کو بچائیں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ آج جمہوریت کے طفیل امریکہ اور یورپ میں تو فلاحی ریاستیں قائم ہیں مگر اسلام نے جس فلاحی ریاست کا تصور دیا تھا وہ نہ سعودی عرب کے اندر ہے نہ پاکستان کے اندر ہے۔ ایران میں بھی بہت زیادہ غربت ہے مگر وہاں بھیک نہیں مانگی جاتی میں نے میٹروٹرین کے اندر لوگوں کو وائلن بجا کر بھیک مانگتے دیکھا ہے۔ یورپی ممالک میں فلاحی ریاستوں کا تصور موجود ہے اسلام نے گنجائش دی کہ اپنی معاش، معاشرتی ضروریات اور اقدار کو پیش نظر رکھ کر نظام وضع کیا جائے۔ حالات کے مطابق تشریحات کی جا سکتی ہیں۔ آخری بات کروں گا کہ اصول سارے اچھے ہیں جھگڑا صرف نفاذ کا ہے شیعوں کے اصول بھی اچھے ہیں سنیوں کے بھی اچھے ہیں جمہوریت کے بھی اچھے ہیں، اصل مسئلہ عمل درآمد کا ہے دنیا میں دو ہی طبقات ہیں حاکم اور محکوم، ہمیں محکوموں کا ساتھ دینا چاہئے اور ظاموں کے خلاف کھڑا ہونا چاہئے۔

سولات

محمد عمار۔ متعلم جامعہ نعیمہ

حضرت صاحب نے اپنی گفتگو میں کہا کہ ووٹ شرعی ذمہ داری ہے پاکستان کے اندر جو لوگ ووٹ نہیں دیتے انہیں امیدواروں کی ایمانداری پر شک ہو جاتا ہے کیا ایسا انہیں کرنا چاہئے کی اگر ان کی نظر میں کوئی امیدوار اہل نہیں ہے تو وہ اپنے ووٹ کو محفوظ رکھیں۔

سوال

قربان علی متعلم دارالعلوم نعیمیہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میرا سوال ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحب سے ہے انہوں نے فرمایا کہ عورت پارلیمنٹ کی ممبر تو بن سکتی ہے لیکن حکمران نہیں بن سکتی ہمارے ہاں تو وفاقی وزیر اور وزیر اعظم وہی ہوگا جو پارلیمنٹ کا ممبر ہوگا جب عورت پارلیمنٹ کی ممبر بن سکتی ہے تو پھر وہ حکمران کیوں نہیں بن سکتی اس کی وضاحت فرمادیں۔

سوال

عبداللہ۔ متعلم جامعہ نعیمیہ

میرا سوال بھی ڈاکٹر اعجاز احمد صمدانی صاحب سے ہے آپ بتائیں کہ اسلامی طرز حکمرانی کا بنیادی ڈھانچہ کیا ہے اور اسلامی طرز حکمرانی اور مغربی طرز حکمرانی میں بنیادی فرق کیا ہے؟ دوسرا سوال علامہ شاہد صاحب سے ہے کہ جمہوریت کا مطلب ہے عوام کی حکومت عوام کے لئے اور عوام کے ذریعے ، کیا اس تعریف پر پاکستان کی جمہوریت پوری اترتی ہے یا نہیں، کیا ہمارے اکابرین نے اسی پاکستان کا خواب دیکھا تھا۔

جوابات:

مولانا کاشف شیخ: جامعہ الانصار کراچی

اگر کوئی اہل فرد سامنے نہ ہو تو پھر کیا ووٹ دینا چاہئے؟ میرا خیال ہے کچھ چیزیں اصولی ہیں اور کچھ ہمارے تجربات میں، ہم دونوں کو الگ الگ رکھیں گے ہمارے آئین میں 62,63 کی شقیں رکھی گئی ہیں کیا ہمارے امیدوار اس پر پورا اترتے ہیں یا نہیں اس اعتبار سے اگر ہم ان اصولوں اور تجربات کو غلط ملط کر دینگے تو شاید مسائل بڑھیں گے اور ہم ابہام کا شکار ہوں گے۔ میری رائے یہ ہے کہ اصول تو وہی رہیں گے کہ ووٹ کسے دینا چاہئے البتہ اس کے اندر رہ کر ووٹر اپنا حق راہے وہی استعمال کرے۔

جواب:

مولانا اعجاز حیدر مظہری، ریسرچ سکالر الزہرہ اکیڈمی

میں بھی آپ کی طرح ایک طالب علم ہوں ہر نبی کے لئے رسول ہونا ضروری ہے مگر ہر نبی، رسول نہیں ہوتا۔ وزیر کے لئے پارلیمنٹ کا ممبر ہونا ضروری ہے مگر ہر ممبر وزیر نہیں ہوتا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:

ڈاکٹر اعجاز صمدانی، پروفیسر جامعہ دارالعلوم کراچی

اسلامی طرز حکومت کے بارے میں کہا گیا کہ وہ نظام صلوٰۃ اور نظام زکوٰۃ قائم کرے گی اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا کام کرے گی۔ ایک اور جگہ کہا گیا کہ عدل وانصاف کا نظام بھی قائم کرے گی۔ یہ بنیادی کام ہیں اس کے علاوہ وزارتِ دفاع، وزارتِ خارجہ ہوگی یا نہیں یہ انتظامی معاملات ہیں جو مباہات کے دائرے میں آتے ہیں اور یہ وقتی ضرورت کے تحت اختیار بھی کئے جا سکتے ہیں اور ضرورت نہ ہونے پر ترک بھی کئے جا سکتے ہیں۔ اسلامی طرز حکومت اور مغربی طرز حکومت میں بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام میں حکمرانی مسئولیت ہے حق نہیں، ذمہ داری ہے جبکہ مغرب میں اس کو حق سمجھا گیا ہے وزیر کا لفظ وزر سے نکلا ہے جس کے معنی بوجھ اٹھانے والا ہیں۔ وزیر اعظم کا مطلب ہے سب سے زیادہ بوجھ اٹھانے والا، پھر مغرب لبرل ازم کی طرف چلا جاتا ہے ہم شریعت کے پابند ہیں۔ جہاں تک جمہوریت کی تعریف کا معاملہ ہے اس پر اتنے اعتراضات آئے ہیں کی خود ماہرین نے اس کی تعریف کو ختم کر دیا۔ مثلاً جب ہم کہتے ہیں عوام کی حکومت تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ عوام حاکم بھی ہو اور محکوم بھی، ہم کہتے ہیں کہ انھوں نے کچھ لوگوں کو اپنا حاکم بنایا، جب حاکم بنالیا تو پھر لوگ بے دست وپا ہو گئے۔ اب وہ کہتے ہیں ہمارا مقصد ہے کہ عوام کی اکثریت کے فیصلوں کو مدار بنایا جائے۔

صدارتی کلمات:

مولانا عبدالحق ہاشمی

مرکزی رہنما جماعت اسلامی بلوچستان ومشیر وفاقی شرعی عدالت

آج کی محفل میں ایک مشترک بات یہ سامنے آئی کہ ہم اس بات پر تو متفق ہیں کہ پاکستان کا آئین قارون کا خزانہ نہیں بلکہ اگر اسے سنجیدہ طریقے سے زیر بحث لایا جائے تو اس سے اسلام کے شگوفے پھوٹ سکتے ہیں۔ مولانا آفریدی صاحب نے کہا کہ میں آئین کو اسلامی نہیں کہہ سکتا مگر پھر بھی ان کا مدعا یہ تھا کہ اگر یہ نقائص دور کر لئے جائیں تو اس آئین کو قبول بھی کیا جا سکتا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کو قابل عمل بھی بنایا جا سکتا ہے۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اصلاحات کی ضرورت ہے دوسرا یہ کہ ہمارے آئین میں جو اچھی چیزیں ہیں ان کو ہم آج تک قابل عمل نہیں بنا سکے اس کی وجہ یہی ہے کہ ہماری قوت یکجا نہیں بلکہ منتشر ہے، میں حوالے کے طور پر بتانا چاہتا ہوں کی ضلع ساہیوال میں اسی طرح کے مذاکرے میں جانے کا اتفاق ہوا جو جمہوریت اور خلافت کے نظام پر تھا۔ وہاں اپنے وقت کے پانچ خلفاء موجودہ تھے جنھیں اس موجودہ دور میں خلافت کا دعویٰ ہے جب انھوں نے مجھ سے کہا کہ آپ گفتگو کریں تو میں نے کہا کہ پہلے آپ بتا دیں کہ مجھے کس کے ہاتھ پر بیعت کرنا ہے تو میں سمجھوں گا کہ ہمیں اس مجلس کا حاصل مل گیا۔ مولانا صمدانی صاحب تو قابل ملامت نہیں ہیں کہ ان کا امام غائب ہے موجودہ نہیں ہے۔ لیکن ہمارے امام تو غائب نہیں ہیں ہم اسے ڈھونڈ ہی نہیں پا رہے اس لئے زیادہ بڑے گناہ گار اور مجرم تو ہم خود ہیں۔ اس طرح کے سنجیدہ مذاکروں کے نتیجے میں انتشار کی بجائے جو پہلا مرحلہ ہوتا ہے جسے منطقی زبان میں کہتے ہیں کہ پہلے تصور درست ہونا چاہئے۔ کم از کم ہم تصور کی منزل تک تو پہنچیں گے اور جب یہ تصور درست ہوگا تو پھر اگلے مرحلے تک بھی پہنچ جائیں گے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکالمہ دوم

بمقام: لاہور

بتاریخ: 19 مئی 2014

شرکائے مذاکرہ

میزبان: محمد عامر رانا صدارت: قاری حنیف جالندھری

سیکرٹری جنرل وفاق المدارس العربیہ پاکستان و پرنسپل جامعہ خیر المدارس ملتان

شرکائے گفتگو

مولانا یٰسین ظفر، پرنسپل جامعہ سلفیہ، فیصل آباد و سیکرٹری جنرل وفاق المدارس السلفیہ

علامہ شہزاد مجددی، ناظم اعلیٰ دارالاخلاص لاہور

مفتی زاہد حسین، وائس پرنسپل جامعہ امدادیہ فیصل آباد

صاحبزادہ امانت رسول، پرنسپل ادارہ فکر جدید و مدیر ماہنامہ روح بلند

علامہ باقر گلو، جامعہ المنتظر لاہور

دوسری نشست

صدارت: ڈاکٹر راغب نعیمی، پرنسپل جامعہ نعیمیہ لاہور

مرزا ایوب بیگ، تحریک اسلامی لاہور، علامہ یونس قاسمی، مدیر ماہنامہ خلافت راشدہ فیصل آباد

پروفیسر حافظ خالد، رہنما تنظیم الاخوان پاکستان، مفتی منصور، کالم نگار، مذہبی سکالر

علامہ صادق قریشی، نائب امیر تحریک منہاج القرآن علامہ عمار خان ناصر ہوائس پرنسپل الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ

علامہ خلیل الرحمٰن، مدیر ماہنامہ سوئے حجاز

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

لاہور میں منعقدہ مباحثے کے شرکاء

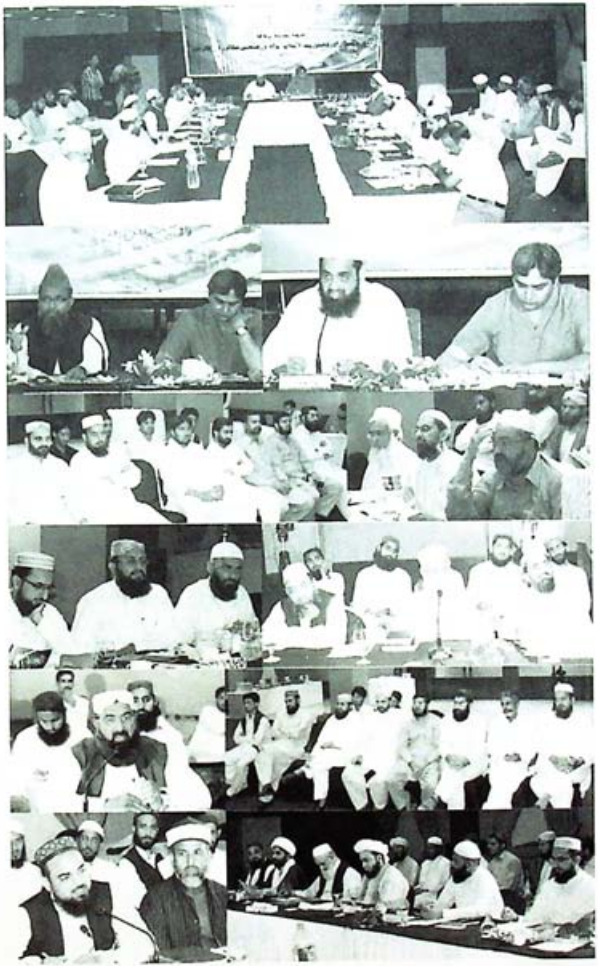

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مرزا ایوب بیگ

تحریک اسلامی پاکستان

جمہوریت کو ایک نظام سمجھنا ایک بڑی غلط فہمی ہے۔ یہ ایک طرز حکومت ہے نہ کہ نظام، جن ممالک میں جمہوریت چل رہی ہے وہاں سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ جمہوریت کی جو شکل امریکہ، یورپ اور ہندوستان میں ہے وہ چین اور روس میں نظر نہیں آئے گی، اسی طرح حکومتوں کو بنانے اور گرانے میں بھی سرمایہ دارانہ نظام کا ایک کردار ہے، کیا امریکہ میں یہ ممکن ہے کہ سرمایہ داروں کے تعاون کے بغیر کوئی شخص جیت جائے۔ سرمایہ دارانہ نظام انسانی تاریخ میں استحصال کے حوالے سے ایک بدترین نظام ہے جس کے اوپر جمہوریت کا ریشمی غلاف چڑھا دیا گیا ہے تاکہ اس کو نرم و ملائم ظاہر کیا جا سکے۔ جمہوریت کے بعض خصائل بہت اچھے ہیں مثلاً عوام کی رائے، مشورہ، لوگوں کا حقِ حکومت، مگر اس کے باوجود اصل لوگ سرمایہ دار ہیں جو جمہوریت سے اپنے مفاد اٹھاتے ہیں۔ ماضی قریب میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں ان کا آغاز سرمایہ داروں نے کیا تاکہ ان کا اربوں ڈالر کا اسلحہ بک سکے۔ پاکستان کی مثال آپ دیکھ لیں یہاں جو لولی لنگڑی جمہوریت ہے اس میں سرمایہ داروں کے بغیر کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ اشتراکیت کے مقابلے پر جمہوریت نے انسان کو اچھی طرح زندہ ضرور رکھا ہوا ہے مثال کے طور پر جہاں جمہوریت ہے وہاں صحت، تعلیم اور روزگار کی سہولیات زیادہ ہیں۔ اشتراکیت نے انسان کو نچوڑنے کی کوشش کی تھی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 70 سال میں وہ نظام زمیں بوس ہو گیا۔ اس کے مقابلے پر سرمایہ دارانہ نظام اپنے گھوڑے کو کھلاتا پلاتا ہے تاکہ بوقت ضرورت اسے سواری کے لئے ایک اچھا گھوڑا میسر ہو سکے۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلام اس حوالے سے کیا کہتا ہے۔ نبی کریمؐ کی جب بعثت ہوئی اس وقت ریاست اور حکومت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ دورِ جاہلیت میں بھی اور اسلامی نظام کے بعد بھی ریاست اور حکومت ایک ہی چیز رہی۔ یہی وجہ تھی کہ جو شخص حکومت کے خلاف بولتا تھا اس کی گردن اڑا دی جاتی تھی کیونکہ ایسا ریاست کے خلاف سمجھا جاتا تھا لیکن اسلام نے ایک ایسا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خوبصورت نظام دیا جس میں امیر المومنین کو ایک طرف پورے پورے اختیارات بھی دیئے گئے لیکن دوسری طرف اسے مشاورت کا بھی پابند کر دیا گیا۔ اسلام میں معاشرت کے حوالے سے تفصیلات ہیں مگر سیاسی نظام کے حوالے سے ایک بنیادی اصول دے دیا گیا کہ آپس میں مشورہ کر لیا کرو، امیر کے چناؤ کے حوالے سے باقاعدہ ووٹنگ کی جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے نہ ہی اسلام اس میں کوئی رکاوٹ ڈالتا ہے لیکن امیدوار کے لئے بعض شرائط رکھ دی گئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ ووٹر کے لئے بھی شرائط ہونی چاہئیں کہ وہ ووٹ دینے کا اہل ہے کہ نہیں۔ اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت کا اسلام سے کوئی ٹکراؤ نہیں ہے۔ رہا یہ سوال کہ ہمارا آئین اسلامی ہے کہ نہیں اس حوالے سے ڈاکٹر اسرار احمد کا ایک جملہ بڑا تلخ ہے کہ ہمارا آئین منافقت کا پلندہ ہے۔ شق نمبر دو کے مطابق مملکت کا مذہب اسلامی ہوگا، شق نمبر دو اے کے تحت قرار دادِ مقاصد آئین کا لازمی جزو ہوگی۔ شق نمبر 32 کے تحت حکومت کا فرض ہے کہ ہر شہری کو اچھا مسلمان بنائے، قران و حدیث کی تعلیم دی جائے یہاں تک لکھا ہے کہ عربی زبان کی ترویج کا حکومت پورا انتظام کرے گی اس کے علاوہ شق نمبر 227 کے تحت آپ اسلام سے باہر جا ہی نہیں سکتے۔ اس کے باوجود اس آئین میں بعض غیر اسلامی ترامیم کی گئیں، وہ ترامیم آج تک موجود ہیں۔

محمد عامر رانا، میزبان

ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

کراچی کے مذاکرے میں مختلف مکاتب فکر کے علماء کا اس بات پر اتفاق تھا کہ اگر اجتماعی دانش سے معاملات طے کرنے کا نام جمہوریت ہے تو یہ عین اسلامی ہے۔ پارلیمانی نظام بہتر ہے یا صدارتی، کراچی کے شرکاء کی اکثریت نے صدارتی نظام کو اسلام کے قریب ترین قرار دیا تھا۔ اس حوالے سے بھی اتفاق پایا گیا کہ موجودہ نظام اسلام کے خلاف تو نہیں لیکن اس میں کئی ابہام ہیں جن کو دور کرنا باقی ہے۔ اسی طرح اسلام کی آئینی شقوں پر عمل درآمد کا بھی مسئلہ ہے کہ یہ کیسے ہوگا۔ یہ سوال بھی وہاں موضوع بحث رہا۔ وہاں پر یہ بات بھی ہوئی کہ اگر جمہوریت انتقال اقتدار کا طریقہ ہے نظام نہیں تو طریقۂ انتخاب کی نوعیت کیا ہونی چاہئے، ووٹ کون دے گا، صاحب رائے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کون ہوگا، اس کا فیصلہ کون کرے گا کہ یہ لوگ اپنے حکمران کو منتخب کریں گے۔ ایک اور بات دیکھی گئی کہ پاکستان میں تمام مسائل کو جوڑ کر دیکھا جاتا ہے اگر عام آدمی کے مسائل حل نہیں ہو رہے تو اس کا الزام لازمی طور پر نظام کو جائے گا، جمہوریت یا مطلقہ ادارے کو مورد الزام ٹھہرایا جائے گا۔ کیا ہم جمہوریت کو حکومت کے انتظام سے الگ کر کے دیکھ سکتے ہیں یا نہیں اور ریاست کا انتظامی ڈھانچہ کس قسم کا ہونا چاہئے۔ اس میں اتفاق پایا گیا کہ خلیفہ کے انتخاب کے لئے عوام سے رائے لی جاسکتی ہے لیکن پھر یہ سوال آیا کہ صاحب رائے کون ہوگا۔ ایک اور اہم نقطہ کہ اسلام میں عورت شوریٰ کی ممبر بن سکتی ہے۔ اس پر بھی بہت سے شرکاء کا اتفاق تھا، اس بات پر بھی اتفاق تھا کہ علماء کو طے کرنا ہے کہ حکومت کیسے قائم ہوگی غلبے سے یا اتفاق رائے سے، اور اس بات پر بھی سب کا اتفاق تھا کی زبردستی کرنے کا اختیار کسی طبقے کو نہیں، ہم چاہ رہے ہیں کہ آج کے مذاکرے میں بھی ہم کسی اتفاق رائے کی طرف بڑھ سکیں۔

صاحبزادہ امانت رسول

پرنسپل ادارہ فکر جدید، مدیر ماہنامہ روح بلند

پاکستان کے آئین پر علماء کے نقطۂ نظر کے حوالے سے ابہام پایا جاتا ہے، میڈیا علماء کا قطعی ایک مختلف تصور ابھار رہا ہے، اسلام سے قبل بھی حکومت کی اتھارٹی فرد واحد کے پاس ہوتی تھی اسلام نے بھی آکر اسی سلسلے کو جاری رکھا، رسول اکرمؐ کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں بھی یہی طریقہ رائج رہا۔ دور جدید میں بھی نظام چاہے صدارتی ہو یا پارلیمانی حتمی فیصلہ فرد واحد ہی کرتا ہے۔ فیملی سسٹم میں بھی فیصلے کا اختیار فرد واحد کے پاس ہی ہوتا ہے۔ اسلام نے حکومت کے حوالے سے مشاورت کا تصور دیا ہے، مغربی جمہوریت یہ مشاورت براہ راست عوام سے کرتی ہے اور ان کی رائے کو ہی حرف آخر تصور کیا جاتا ہے مگر اسلام میں مشاورت قانون الٰہی کے اتباع سے مشروط کر دی گئی ہے۔ اگر کوئی رائے اسلام کی تعلیمات کے منافی ہو تو اسے نہیں مانا جائے گا۔ مغرب میں جمہوریت کلی طور پر عوام کے تابع ہے اسلام کہتا ہے کہ اس کا ایک الگ طریقہ کار ہو، کیونکہ پاکستان میں تو خواب بیچنے والا اقتدار میں آجاتا ہے، جو جتنا بڑا فنکار ہوا اتنا بڑا لیڈر ہوتا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام نے عورت کو سیاسی نظام میں شمولیت کا حق دیا ہے مگر اس کا بنیادی مرکز گھر قرار دیا ہے اور معاشی جدوجہد سے اس کو آزاد قرار دیا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے وہ اس علم کی نفی نہیں کرتا جو انسان نے اپنے ارتقاء سے حاصل کیا مگر ساتھ یہ اصول بھی دیتا ہے کہ جو فیصلہ کثرت رائے سے ہو وہ اسلام سے متصادم نہ ہو۔ جہاں تک مذہبی جماعتوں کا معاملہ ہے اگر ملک ہی مسلمانوں کا ہے تو الگ سے مذہبی جماعتوں کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہاں بالغ رائے دہی کی بات کی گئی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ بلوغت سے زیادہ اہم بات تعلیم اور شعور ہے۔ جس طرح ووٹر کی عمر کا تعین ہے اسی طرح اس کو تعلیم سے بھی مشروط کیا جاسکتا ہے، ووٹر کی عمر بھی 18 کی بجائے 30-25 سال مقرر کی جائے، حکمرانوں کی اہلیت کے معاملے پر بھی قران وسنت سے بہت رہنمائی ملتی ہے جو اتھارٹی اسے دی جارہی ہے اس کے لئے اس کا تقوی اور کردار بہت اہم ہے۔

بین الاقوامی تعلقات میں اسلام صلح جوئی کا پیغام دیتا ہے قرآن میں آیا ہے کہ اگر وہ صلح کا پیغام دیں اور ہتھیار رکھ دیں تو تم بھی ان کے پیغام کو قبول کرلو، اسلام نے PROXY WARS میں پڑنے کی ممانعت کی ہے۔

اسلام کے معاشی نظام کے حوالے سے عرض ہے کہ اسلام میں ترجیح انسان ہے جبکہ مغربی معاشی نظام میں ترجیح سرمائے کو دی گئی ہے، اسلام نے سود کو حرام قرار دیا ہے اسی طرح اسلام کے سیاسی نظام میں اصول سپریم ہے مغرب میں سپریم حیثیت مفاد کو دی گئی ہے۔ بین الاقوامی تعلقات میں بھی یہی اصول کارفرما ہے اسلام اصول کی بات کرتا ہے مغرب مفاد کو اہمیت دیتا ہے۔ میں عرض کروں گا کہ جمہوریت میں خامیوں کی نسبت خوبیاں زیادہ ہیں۔ اسلامی دنیا میں بہترین آئین پاکستان کا ہے معاملہ اسلامی یا غیر اسلامی سے زیادہ عمل درآمد اور نیت کا ہے اگر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ آئین کی کوئی شق غیر اسلامی ہے تو ہوسکتا ہے کہ یہ غیر اسلامی نہ ہو مگر اعتراض کسی خاص فقہ کی وجہ سے کیا جارہا ہو۔ ہاں اگر کوئی شق واقعی اسلام سے متصادم ہو تو اس پر بات ہو سکتی ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ شہزاد مجددی

ناظم اعلیٰ دارلاخلاص لاہور

آئین پاکستان کو بناتے وقت علماء نے بہت کام کیا بڑی جانفشانی دکھائی۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی علماء اس پر ابہام کا شکار نہیں ہیں، بجز چند شقوں کے۔ جمہوریت کا جو مقام آج مغرب میں ہے وہ ایک خاص تہذیبی ورثے کی عکاسی کرتا ہے، جب مغرب جمہوریت کی بات کرتا ہے تو اس کا پس منظر کچھ اور ہوتا ہے۔ ہم لوگوں نے جمہوریت کو ایک نظریہ ضرورت کے تحت اختیار کیا۔ پاکستان جس عالم میں وجود میں آیا وہ قریب قریب ایک اضطراری حالت تھی، بعد میں 1947 سے 1973 تک کتنے ہی نشیب و فراز آئے۔ جب بطور پاکستانی ہم جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو ہم اسی مشاہدے کے پس منظر میں رہتے ہیں جو ہمیں جمہوری حکمرانوں سے ملا۔ ہم میں سے کوئی شخص صحیح رائے نہیں دے سکتا کیونکہ صحیح جمہوریت اس کے مشاہدے میں آئی ہی نہیں، جو جمہوریت اسے ملی وہ ناقص حیثیت میں تھی۔

اسلام ریاست کے اندر ریاست بنانے کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن میں بکثرت ایک لفظ استعمال کیا جاتا ہے ''فساد فی الارض''۔ اسلام فرد اور معاشرے کی جان و مال کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ حتیٰ کہ اسلام نے جانوروں اور نباتات کی حفاظت کی بات بھی کی ہے۔

مفتی محمد زاہد

وائس پرنسپل جامعہ امدادیہ فیصل آباد

دستور ایک قسم کا عہد ہوتا ہے اسلام عہد کی پاسداری پر بہت زور دیتا ہے۔ میں اس کی مثال اس طرح دوں گا کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی ذاتی خواہش تھی کہ میرے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے قاسم ابنِ محمد کو خلیفہ نامزد کیا جائے جو کہ ام المومنین حضرت عائشہؓ کے شاگردِ خاص اور ان کے بھتیجے بھی تھے اور مدینے کے سات بڑے فقہاء میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ اس وقت کے حالات میں یہ ایک بہت اچھا انتخاب ہو سکتا تھا لیکن حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے سلیمان بن عبدالملک کے زمانے میں طے کر دیا گیا تھا کہ عمر بن عبدالعزیز کے بعد ولید

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بن عبدالملک ہوں گے اس لئے میں کسی طے شدہ عہد کو توڑنا نہیں چاہتا۔ تجویز بڑی آئیڈیل تھی لیکن مصلحت کا تقاضا تھا کہ طے شدہ معاملات ہی آگے بڑھائے جائیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ کسی نہ کسی ٹی وی پر روز کوئی نہ کوئی صاحب آکر قراردادِ مقاصد کا ماتم کر رہے ہوتے ہیں یہ طے شدہ چیزوں کے ہٹانے کی باتیں ٹھیک نہیں ہیں۔ دوسری بات میں یہ عرض کرتا چلوں کہ جمہوریت اگر چہ چلی مغرب سے ہے لیکن وہ جہاں جہاں گئی وہاں وہاں کے مقامی اثرات اس نے قبول کئے جس کی مثال میں یہ دیتا ہوں کہ چینی کھانے دنیا بھر میں مقبول ہیں لیکن جو چینی کھانے آپ کو پاکستان میں ملیں گے اس کا ذائقہ چین میں ملنے والے کھانوں سے قطعی مختلف ہوگا ، وہ کھانا پاکستان آکر پاکستانی ایڈیشن بن جاتا ہے۔ اسی طرح مغربی جمہوریت ہے، اس کا تعلق مغرب سے ہے مگر اب وہ پاکستانی بھی ہے، ہندوستانی بھی ہے، افغانی بھی ہے، ملائشین بھی ہے، ایرانی بھی ہے۔ اس وقت بلا مبالغہ مغربی تہذیب بالادست ہے۔ بعض اوقات جو مسائل مغربی تہذیب کی بالادستی کی صورت میں پیدا ہو رہے ہیں ہم ان کو جمہوریت کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں۔ ہاں اگر کسی جگہ کا سماج یہ سب کچھ رد کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو پھر بات دوسری ہے جیسا کہ خلیجی ممالک ہیں وہاں کفیل کا کردار عالمی لیبر قوانین سے مطابقت نہیں رکھتا مگر چونکہ ان کے پاس وسائل ہیں وہ دنیا کے مقابلے پر کھڑے ہو سکتے ہیں اس لئے ان کے اپنے معیار ہیں، اس لئے وہاں جمہوریت بھی نہیں ہے۔

دوسری بات یہ کہ ہمیں مقاصدِ شریعت کا تعین کرنا ہوگا اور پھر طے کرنا ہوگا۔ جس جگہ آج جمہوریت کھڑی ہے اس سے یہ مقاصد حاصل ہو سکتے ہیں یا نہیں۔ میں ایک ادارے ڈیموکریسی انٹرنیشنل کی رپورٹ دیکھ رہا تھا انھوں نے جمہوریت کے سات اجزائے ترکیبی بیان کئے ہیں پہلا تو بیلنس آف پاور ہے، یقیناً یہ مقاصد شریعت کے عین مطابق ہے اس سے مطلق العنانیت کا خاتمہ ہوتا ہے ، اسی طریقے سے عدلیہ کی آزادی کا معیار ہے۔ اس لئے جب ہم یہاں pluralism کی بات کریں گے تو وہ اس نوعیت کا نہیں ہوگا بلکہ وہ پاکستانی ڈھانچے کے اندر ہو گا۔ ہم آج یہاں جتنے بھی لوگ بیٹھے ہیں وہ کسی نہ کسی ادارے یا تنظیم سے وابستہ ہیں۔ یہ سب بھی جمہوریت کا ہی ثمر ہے ورنہ آپ سعودی عرب میں بیٹھ کر اس طرح آزادی سے گفتگو نہیں کر سکتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسی طرح سے چوتھے نمبر پر قانون کی حکمرانی کا دم بھرنا ہے۔ پانچویں نمبر پر احتساب اور شفافیت ہے۔ چھٹے نمبر پر متنوع، آزاد اور خود مختار میڈیا ہے۔ ساتویں نمبر پر انسانی اور سیاسی حقوق کی عملداری ہے۔ چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ جمہوریت کے جو اجزائے ترکیبی آج ہیں اس کو ہمیں دیکھنا چاہئے اور موازنہ کرنا چاہئے۔ جمہوریت میں بھی بہت ساری خامیاں ہیں۔ اللہ کی طرف سے حکومت کا کوئی نظام نہیں دیا گیا اس لئے ہم دیکھتے ہیں کہ خلفائے راشدین میں سے بھی ہر ایک کا طریقہ انتخاب الگ ہے جو دوسرے سے بالکل مختلف ہے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر ہمارا معاشرہ بیدار اور باشعور ہو تو شریعت کے مقاصد کسی اور نظام کی بجائے جمہوریت کے ذریعے زیادہ بہتر طور پر پورے ہو سکتے ہیں۔

علامہ غلام باقر گلو

معلم جامعہ المنتظر لاہور

اس میں کوئی شک نہیں کہ ملک اور عوام کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لئے بہترین راستہ ہے، خلفائے راشدین اور عامہ اہلِ بیت کے ادوار میں بھی عوام کی فلاح اور انصاف کا دور دورہ نظر آتا ہے۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مختلف خطوط اپنے دور حکومت کے منتظمین کو لکھے ہیں ان میں سے ایک مالک اشتر ہیں یا مختلف شہروں کے گورنروں کو لکھے ہیں۔ سب سے پہلی چیز ہمیں تقویٰ الٰہی ملتی ہے اس کے بعد حقوق الناس اور انصاف کا تذکرہ ہے اور یہ بات ہر کوئی چاہتا ہے کہ جو بھی مسندِ حکومت پر بیٹھے وہ ان فرائض کو ملحوظِ خاطر رکھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آئین پاکستان کو بنانے کی جدوجہد میں ہر مسلک کے جید علمائے کرام شامل رہے ہیں اس لئے اس میں کوئی ایسا جز و نہیں ہے جو غیر اسلامی ہو، مسئلہ آئین میں کسی کمی کا نہیں بلکہ عمل درآمد کا ہے، اس ملک کے بہت سے مسائل جو شدید سے شدید تر ہو رہے ہیں اس کی وجہ فقط یہ ہے کہ قوانین پر عمل نہیں کیا جا رہا۔ جیسا کہ قانون قصاص ہے جس پر عمل نہیں کیا جا رہا، کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جمہوری طریقے سے اگر قوانین پر عمل درآمد ہو تو عوام کی بھلائی ہوگی اور ملک آگے بڑھے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا یٰسین ظفر
جنرل سیکرٹری وفاق المدارس السلفیہ

اسلام کے نظام حکومت، سیاست، خلافت پر بہت کتابیں لکھی گئی ہیں۔ اسلامی ریاست و حکومت کا تصور موجود ہے اور اسی کے پیش نظر خلفائے راشدین کی حکومتیں وجود میں آئی ہیں اور وہ چار طریقے ہیں جنھیں ہم منہاج النبوۃ کہتے ہیں۔ اگر حکومت کا مقصد شریعت کی ترویج ہو تو خواہ وہ پارلیمانی ہو یا صدارتی کوئی حرج والی بات نہیں۔ جہاں تک جمہوریت کا تعلق ہے کہ اسے ہم اسلامی کہیں یا غیر اسلامی کہیں، ہم کوئی بھی چیز ویسے ہی قبول نہیں کرتے بلکہ اس کے مضمرات اور فوائد کا جائزہ لیتے ہیں۔ یہی حال جمہوریت کا ہے اگر اس کے فوائد ہیں تو پھر اس سے استفادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ مغرب میں تو اکثریت جو بھی فیصلہ کر لے اس کو قبول کر لیا جاتا ہے لیکن ہمارے ہاں چونکہ حاکم اعلیٰ اللہ ہے جو قوانین اور حقوق بیان کر دیئے گئے اس میں بحث کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی وہ اسی طرح سے نافذ العمل ہیں۔ البتہ میں یہ عرض ضرور کروں گا کہ حق رائے دہی پر غور کرنا چاہئے کیونکہ اسلام نے پڑھے لکھے اور ان پڑھ کے درمیان فرق کیا ہے اور اس کا ذکر قرآن کریم میں کئی جگہوں پر متعدد شکلوں میں بیان کر دیا گیا ہے۔ اس لئے رائے دہندگان کی کچھ شرائط ہونی چاہئیں۔ یہاں پہلے بھی کہا گیا اور میں اس سے اتفاق کرتا ہوں کہ محض عمر کا اصول نہیں ہونا چاہئے 18 سال کی عمر میں ایک بچے میں فیصلہ کرنے کی جتنی صلاحیت ہوتی ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس فیصلے کو اس کے والدین بھی قبول کرتے ہوں چہ جائیکہ کہ حکومت سازی میں ان کی رائے کو اتنی اہمیت دے دی جائے۔ اس لئے رائے دہندگان کے لئے تعلیم کے ساتھ ساتھ عمر کی حد بھی بڑھا دی جائے تو بہتری آسکتی ہے۔ بیرونی دنیا میں اکثریت کی بنیاد پر قانون سازی ہوتی ہے جبکہ ہم قرآن وسنت کی اساس کو ملحوظ خاطر رکھ کر ہی قانون سازی کر سکتے ہیں۔ ہم جمہوریت کو مادر پدر آزاد نہیں چھوڑ سکتے جیسا کہ مغرب کے اندر ہے البتہ جہاں ضرورت ہو وہاں اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے۔ اس کے لئے اہل علم نے جو شرائط متعین کیں ان کا پاس رکھا جائے تو ٹھیک ہے۔ انتظامی امور میں بہتری کے لئے حکومت کو قانون سازی کا حق دیا گیا ہے جیسے کہ ٹریفک کے یا اس نوعیت کے دیگر مسائل ہیں۔ تیسرا سوال کہ حکومت بنانے میں عوامی رائے کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

احترام کس حد تک ہے آپ سب کے علم میں ہے کہ سیدنا عثمانؓ کا جب انتخاب ہوا تو حضرت عبد الرحمٰن ابنِ عوفؓ نے مدینہ منورہ میں گھر گھر جا کر دروازے کھٹکھٹا کر رائے طلب کی اور اسی کی روشنی میں فیصلہ صادر فرمایا۔ بعض اہلِ علم یہ کہتے ہیں کہ انھوں نے محض مردوں سے نہیں بلکہ عورتوں سے بھی رائے لی تھی۔ چوتھی بات شوریٰ کی ہے جو بلاشبہ اسلام کا ایک بنیادی اصول ہے اسلام میں مشورہ طلب کرنے کی کوئی پابندی نہیں ہے کہ آپ پہلے سے متعین کردہ لوگوں سے ہی رائے طلب کریں، حاکم وقت جس سے چاہے مشورہ لے سکتا ہے، اور اگر مشورہ صائب ہو تو بہت ہی اچھی بات ہے۔ مشورہ مردوں سے نہیں عورتوں سے بھی لیا جا سکتا ہے۔

سوالات

آصف، طالبعلم جامعہ نعیمیہ

بعض علماء کرام نے کہا کہ جمہوریت بہترین نظام حکومت ہے، تو پھر خلفائے راشدین کا دور جنھیں ہم بہترین گردانتے ہیں ان کو کہاں رکھیں گے؟

جواب:

مفتی محمد زاہد حسین، پرنسپل ادارہ فکرِ جدید و مدیر ماہنامہ روحِ بلند

ہم میں سے کسی نے نہیں کہا کہ ہمارا موجودہ نظام بالکل اسلام کے مطابق ہے زیادہ سے زیادہ یہ کہا گیا ہے کہ اسلام کے خلاف نہیں ہے یا یہ کہ اس کو اسلام کے مطابق بنایا جا سکتا ہے۔ جہاں تک آپ نے قرونِ اولیٰ کی بات کی اس حوالے سے میں نے یہ کہا تھا کہ قرآن و حدیث کو سامنے رکھ کر ہمیں مقاصد متعین کرنے چاہئیں کہ اس شعبے میں شریعت چاہتی کیا ہے اور پھر یہ دیکھنا چاہئے کہ ہم کس سسٹم کو زیادہ بہتر طریقے سے استعمال کر سکتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہمیں خلفائے راشدین کے دور میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ صرف یہ نہیں کہ لوگوں کو حق تھا کہ وہ لوگوں پر تنقید کریں بلکہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ نے اپنے پہلے خطبوں میں ارشاد فرمایا کہ لوگوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ حکومت پر نظر رکھیں۔ اب ملوکیت کے جو ادوار ہماری تاریخ میں رہے ہیں چاہے مغلیہ ہو یا اس سے پہلے ترکوں کا، عباسیوں کا یا عمویوں کا، اس میں اس مقصد کے حصول کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کوئی گنجائش نہیں تھی ۔ذاتی طور پر اگر کوئی بادشاہ نیک آ گیا تو اس نے تنقید کو گوارا کر لیا ،لیکن باقاعدہ تنقید یا نگرانی کا کوئی سسٹم موجود نہیں تھا۔ میں نے یہ بات کی تھی کہ یہ ہم جمہوری سسٹم کے ذریعے حاصل کر سکتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ جمہوریت میں بھی ناانصافیاں ہوتی ہیں لیکن اس کا ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ کم از کم رو ضرور لیتا ہے اس کو رونے کا حق ضرور مل جاتا ہے جہاں جمہوریت نہیں ہوتی وہاں وہ رو بھی نہیں سکتا ۔میرے کہنے کا مقصد یہ تھا کہ پہلے ہمیں مقاصد شریعت متعین کرنے چاہئیں اور پھر بطور ذریعہ نظام حکومت کا تعین کرنا چاہئے کیونکہ ذریعہ اللہ تعالیٰ نے متعین نہیں کیا بطور ذریعہ کون سا نظام حکومت ہم لیں گے یہ ہمیں دیکھنا چاہئے۔

سوال، راشد محمود، متعلم جامعہ نعیمیہ

مرزا ایوب صاحب نے فرمایا کہ 1973 کا آئین منافقت کا پلندہ ہے میں اس کی وضاحت چاہوں گا کیونکہ یہ آئین اس وقت کے جید علما نے مرتب کیا، اہم بات یہ کہ ممبر پارلیمنٹ کی اہلیت کا تعین آئین کی شق 62 اور 63 کے تحت نہیں ہوتا ،اسی طرح اسلامی نظریاتی کونسل کا آئین میں اہم کردار ہو سکتا ہے مگر وہ اس وقت ہوگا جب ممبران کی تعیناتی میرٹ اور معیار پر ہوگی، اس حوالے سے روشنی ڈالیں؟

جواب،

مرزا ایوب، رہنما تحریکِ اسلامی

اس میں کوئی شک نہیں کہ آئین سازی میں اس وقت کے جید علماء شامل تھے جنھوں نے آئین پر اپنی مہر ثبت کی تھی جس کے عوض ان سے وعدہ کیا گیا تھا کہ دس سال کے اندر آئین کی تمام شقوں کو اسلامی کر دیا جائے گا، جیسے سود کا معاملہ، وہ وعدہ تو محبوب کے وعدے کی طرح ہو گیا۔

سوال:

خالد اقبال، متعلم جامعہ نعیمیہ

علمائے کرام نے فرمایا کہ ہمارے آئین میں جو کمی ہے اس کو ہم اسلامی نظریاتی کونسل کے پلیٹ فارم سے پورا کر سکتے ہیں، میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی اسلامی قوانین کے لحاظ سے ہزاروں سفارشات ہیں مگر وہ صرف ردی کی ٹوکری بنی ہوئی ہیں، اب ہم ان کو کیسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارباب اختیار کو یاد دلا سکتے ہیں یا قانون کو اسلامی بنا سکتے ہیں؟

جواب:

مفتی محمد زاہد، وائس پرنسپل جامعہ امدادیہ فیصل آباد

یہ مسئلہ ہمارے ہاں عدالتوں میں بھی زیر بحث رہا، اگرچہ عدالتوں نے بعض اچھے فیصلے بھی دیئے مگر حاکم خان کیس میں یہ معاملہ دوسری طرف چلا گیا۔ کسی بھی وقت اس پر دوبارہ غور ہو سکتا ہے۔ ظفر علی شاہ کیس میں پاکستان کے آئین کی چار خصوصیات طے کر دی گئیں کہ یہ وفاقی اور پارلیمانی کے ساتھ اسلامی ہوگا۔ اسلامی شقوں کی سپریمسی کو ضمنی طور پر ہی سہی تسلیم کر لیا گیا۔ لیکن جب تک عدالت واضح فیصلہ نہیں دیتی کہ آرٹیکل ۸-2 باقی شقوں پر بالاتر ہے تب تک مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ اب تو صورتحال یہ ہے کہ اس آرٹیکل کی بیڑی نکال کر اس کو دوسری ڈیوائس کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے کہ اب یہ ان کی بیڑی سے چلے گی۔ اسی طرح آرٹیکل 45 جس کے تحت صدر مملکت کو یہ اختیار دیا گیا ہے کہ وہ کسی بھی قاتل کی سزا معاف کر سکتے ہیں بھی متنازعہ ہے۔ اگر سماج چاہے تو دباؤ ڈال کر اس کو معطل کروا سکتا ہے۔ یہاں یہ سوال بھی کیا گیا کہ کیا حدود جیسے مسئلے پر بھی مقاصد شریعت پیش رکھے جا سکتے ہیں؟ ایسا نہیں ہے منصوصات کو کسی صورت ترک نہیں کیا جا سکتا ہاں البتہ جن پر واضح احکام نہیں ان کو کسی وقتی مصلحت کے تحت مؤخر کیا جا سکتا ہے جیسے کہ حضرت عمرؓ نے بعض مواقع پر کیا۔ لیکن جو منصوص احکام ہیں یا جن پر امت کا اجماع موجود ہے تو اُن پر کوئی دوسری رائے نہیں ہو سکتی۔ کم از کم اہل سنت کے تمام مکاتب فکر کا اتفاق رائے ہے کہ اگر کسی مسئلے پر اجتہادات مختلف ہوں تو ولایت الامر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ کسی ایک رائے کو لے کر نافذ کر دیں، اگرچہ اہل علم بحث پھر بھی جاری رکھیں گے، ولایت الامر نے جس رائے کو اختیار کیا ہے اس کے خلاف بھی رائے دیتے رہیں گے اور بحث جاری رہے گی، لیکن بحث جاری رکھنے کی اجازت بھی جمہوریت ہی دے گی۔

سوال:

محمد جنید، متعلم جامعہ نعیمیہ

میرا سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ جمہوریت عوام کے بنیادی حقوق کو پورا کرنے میں کامیاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے، اگر نہیں ہے تو کیا اس کو ڈی ریل کیا جا سکتا ہے، اسلامی رو سے اگر اس کو ڈی ریل نہیں کیا جا سکتا تو اس کی اصلاح کی صورت کون سی ہوگی؟

جواب

علامہ شہزاد مجددی، ناظم اعلیٰ دارالاخلاص لاہور

ہم جمہوریت کا پاکستانی ایڈیشن دیکھ رہے ہیں، پاکستان میں جمہوریت کے باوجود جو ظلم و ستم، جبر و استبداد اور استحصال روا رکھا جا رہا ہے اس میں نہ کوئی عذر ہے، نہ خوف ہے نہ معذرت ہے۔ جمہوریت کے نام پر دن دیہاڑے لوٹ مار ہو رہی ہے۔ ہماری شریعت تو کہتی ہے کہ کم از کم گناہ کو گناہ سمجھ کر تو کرو۔ اگر گناہ کو ثواب سمجھ کر کرنا شروع کر دیا تو پھر معاملہ الٹ ہو جائے گا میں تو دیکھ رہا ہوں کہ ہم جمہوریت کو اسلام کا لبادہ اوڑھا کر اپنے ظلم، جبر اور استحصال کو جائز قرار دے رہے ہیں۔ بہر حال اس وقت وہ ثمرات بہر حال ہمیں نہیں مل رہے جو جمہوریت کے خالقین کے پیش نظر تھے یا جہاں سے یہ سسٹم آیا ہے۔ ہم کم از کم وہی جمہوریت اختیار کر لیں تو بھی یہ اسلام کے قریب ترین کوئی نظام ہوگا۔ پولیس کی یونیفارم میں اگر کوئی جرم ہو رہا ہے تو قصوروار یونیفارم کو قرار نہیں دیا جا سکتا اسی طرح جمہوریت کی یونیفارم میں جو ظلم و ستم ہو رہا ہے وہ کسی طور قابلِ قبول نہیں ہو سکتا۔

سوال:

خالد محمود متعلم جامعہ نعیمیہ

علامہ باقر صاحب نے کہا ہے کہ ہمارا آئین مکمل اسلامی ہے جبکہ بعض نے کہا کہ اس میں کئی ایسے مسائل ہیں جو اسلام سے ٹکراؤ کے مترادف ہیں جیسے حدود اللہ کا نفاذ، دوسری شادی کے لئے پہلی بیوی سے اجازت اور دیگر مسائل کو دیکھتے ہوئے کیا ہم اس آئین کو اسلامی کہہ سکتے ہیں اگر نہیں تو آئین کو کیسے اسلامی بنایا جا سکتا ہے؟

جواب:

علامہ باقر گلو، جامعہ المنتظر لاہور

میں نے عرض کی تھی کہ یہ ہمارے بزرگ اور جید علماء کی نگرانی میں بنایا گیا تھا اس میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگر چہ کچھ مناقشات ہیں مگر اسلامی نظریاتی کونسل کے ذریعے انھیں حل کیا جاسکتا ہے۔ بعض مسائل ایسے ہیں جو مسالک اور مفاسد کی بنیاد پر ہیں ان کو حل کیا جانا چاہئے۔ جیسے تعزیراتی مسائل ہیں لیکن بعض ایسے مسائل ہیں جن کا تعین نہیں ہے ان کو مفسدہ کی بنیاد پر کہ مسئلہ کتنا شدید، ضعف یا متوسط ہے یا جیسے کہ حرامات ہیں، حرام بھی فعل اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس میں مفسدہ شدید ہو اگر اس میں مفسدہ شدید نہیں ہے ضعف ہے تو وہ حرام کی نوبت تک نہیں پہنچتا بلکہ اسے ہم مکروہ کہتے ہیں۔ اس طرح واجبات میں مصلحت شدید ہو تو وہ فعل ملزم ہو جاتا ہے۔ تعزیرات میں بھی اس طرح کچھ احکامات ہیں کہ قاضی اس فعل کے انجام دینے والے کو اس کی تشخیص کے مطابق سزا دے سکتا ہے۔ اس طرح آئین میں جو اشکال ہیں وہ قابل حل ہیں اسلامی نظریاتی کونسل انہی مسائل کے ازالے کے لئے قائم کی گئی ہے شرط یہ ہے کہ اس کے اراکین کی تقرری سیاسی بنیادوں کی بجائے اسلامی بنیادوں پر کی جائے۔

خطبہ صدارت

قاری حنیف جالندھری
سیکرٹری جنرل وفاق المدارس العربیہ و پرنسپل جامعہ خیر المدارس ملتان

ملوکیت، شخصیت اور جمہوریت دو مختلف بلکہ متضاد اصطلاحات ہیں میری ناچیز رائے میں ملوکیت اور جمہوریت کے افراط و تفریط کے کے درمیان جو توسط و اعتدال ہے اسلامی نظام حکومت و ریاست اسی توسط و اعتدال پر استوار ہوئی ہے جسے شرعی اصطلاح میں شورائیت کا نام دیا گیا ہے۔ ایک صحیح اسلامی ریاست میں نہ تو بادشاہت ہو سکتی ہے نہ آمریت، اور نہ ہی ایسی جمہوریت جو صرف حاکمیتِ عوام کے نظریے پر مبنی اور قائم ہو بلکہ صرف وہی ریاست حقیقت میں اسلامی ہو سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی حاکمیت تسلیم کرے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی شریعت کو قانونِ برتر اور اولین ماخذ قوانین مانے اور حدود اللہ کے اندر رہ کر کام کرنے کی پابند ہو اس ریاست میں اقتدار اعلیٰ کی اصل غرض اللہ تعالیٰ کے احکامات کا اجراء اور اس کی رضا کے مطابق برائیوں کا استحصال اور بھلائی کا ارتقاء ہے۔ اس ریاست کا اقتدار اعلیٰ، اقتدار اعلیٰ نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی نیابت اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امانت ہوتا ہے آپ اہل علم جانتے ہیں کہ قرارداد مقاصد میں بھی یہی بات اصولی طور پر طے کر دی گئی ہے کہ پاکستان کی اسلامی ریاست میں اقتدار اعلیٰ کا سرچشمہ حق تعالیٰ کی ذات ہوگی قران وسنت، قانون سازی کے بنیادی ماخذ ہوں گے اور عوام کے نمائندے اپنے اختیارات کو اللہ تعالیٰ کے نائب اور محکوم کی حیثیت سے استعمال کر سکیں گے یہ قرارداد مقاصد کئی عشروں تک دستور کے دیباچے کی حیثیت سے غیر موثر اور نمائشی حیثیت میں رہی اب الحمدللہ یہ دستور کا قابل عمل حصہ بن چکی ہے۔ جس کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ پاکستان میں جمہوریت کا مفہوم مغرب کی سیکولر جمہوریت کے تصور سے مختلف ہے۔ مغربی جمہوریت میں حاکمیت اعلیٰ منتخب نمائندوں کو حاصل ہوتی ہے انہی کی رائے سے قوانین بنتے ہیں اور انہی کی رائے سے قوانین میں تغیر وتبدل ہوتا ہے۔ جس قانون کو وہ چاہیں نافذ کریں اور جس کو چاہیں کتاب آئین سے محو کر دیں۔ یہ بات اسلام میں نہیں ہے اسلام میں بالاتر بنیادی قانون خود اللہ تعالیٰ اپنے رسول کے ذریعے دیتے ہیں جس کی اطاعت ریاست اور قوم دونوں کو کرنی پڑتی ہے۔ بالفاظ دیگر اسلامی جمہوریت یا اسلامی ریاست میں اللہ تعالیٰ کے اقتدار اعلیٰ کے تحت مسلمانوں کو محدود حاکمیت دی گئی ہے۔ اس محدود حاکمیت میں انتظامیہ اور مقننہ مسلمانوں کی رائے سے ہی بنیں گے اور مسلمان ہی اسے معزول کرنے کے مختار ہوں گے۔ سارے انتظامی معاملات اور وہ تمام مسائل جن کے متعلق اللہ تعالیٰ کی شریعت میں کوئی صریح حکم موجود نہیں ہے وہ مسلمانوں کے اجماع سے ہی طے ہوں گے۔ لیکن جہاں اللہ اور اس کے رسول کا حکم موجود ہو وہاں مسلمانوں کے کسی امیر، کسی مقننہ، کسی مذہبی شخصیت بلکہ ساری دنیا کے مسلمانوں کو مل کر بھی اس میں ترمیم کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔ جب اسلام کے اس حکم کو بیان کیا جاتا ہے کہ نصوص وقطعیات میں کسی کو ترمیم کرنے کا کوئی حق حاصل نہیں تو بعض حلقے اسے تھیوکریسی، مذہبی حکومت یا پاپائیت یا آج کل کی اصطلاح میں مولویوں کی حکومت کا نام دے کر محتوم کرتے ہیں۔ مغربی تعلیم یافتہ حضرات جن کے اذہان میں مغربی اصطلاحات کے استعمال کی وجہ سے مغربی تصورات ہوتے ہیں وہ مذہبی حکومت کا یہی مطلب سمجھتے ہیں کہ جس طرح یورپ میں ایک وقت میں مذہبی پیشواؤں اور پادریوں نے خدا کا نمائندہ اور ترجمان بن کر قانون سازی اور اس کی تفصیل کا منصب اپنے ہاتھوں میں لے لیا تھا۔ اسی طرح پاکستان میں مذہبی حکومت قائم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہونے سے قانون سازی اور اس کی تشریح کے تمام اختیارات مذہبی شخصیات یعنی مولویوں کے پاس چلے جائیں گے۔ یہ غلط فہمی ایک بہت بڑی حقیقت کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ کہ حضرت عیسیٰؑ انجیل کی اخلاقی تعلیمات کے سوا کوئی قانونی ہدایت نامہ چھوڑ کر نہیں گئے چنانچہ جب عیسائیوں کو اپنے معاملات، سیاسیات، معاشیات وغیرہ میں قوانین و احکامات کی ضرورت پیش آئی تو ان کے مذہبی پیشواؤں نے اس ضرورت کو خود اپنے احکامات سے پورا کر لیا اور ان احکامات کو خدائی احکامات کی حیثیت سے منوایا۔ جبکہ مسلمانوں کے پاس قرآن کریم اپنے جامع اور وسیع احکامات کی صورت میں موجود ہے اس کی تشریح کے لئے جناب نبی کریمؐ کی قولی اور عملی ہدایات مکمل اور محفوظ شکل میں آج تک موجود ہیں۔ اختلافی مسائل میں اجماع امت اور مجتہدین کے فیصلے موجود ہیں ان سب کے ہوتے ہوئے کسی شخص کے قول و فعل کو حکم خداوندی کی حیثیت سے بے چون و چرا مان لیا جائے یہ مسلم اور اسلامی معاشرے میں ناممکنات میں سے ہے۔ اس صریح فرق کے ہوتے ہوئے اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح میں مذہبی حکومت یا تھیوکریسی کہنا قطعاً غلط ہوگا۔ یہاں یہ بات یاد دہانی کی صورت میں عرض کرتا ہوں۔ میں نے آپ کی گفتگو سے بہت زیادہ استفادہ کیا ہے، آپ جانتے ہیں کہ تھیوکریسی کا مطلب خدا کی حکومت ہے یہ اپنے بنیادی تصور کے اعتبار سے بڑی ہی آئیڈیل اور شاندار چیز ہے لیکن جب تھیوکریسی کے نام پر مذہبی پیشواؤں کی حکومت قائم کر دی گئی تو اس کی حیثیت لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہوگئی۔ ڈیموکریسی جس کو آپ عوام کی حاکمیت کہتے ہیں تھیوکریسی کے مقابلے پر وجود میں آئی۔ چونکہ تھیوکریسی کا استعمال غلط ہوا تھا اس لئے عوام کی حاکمیت کے نام پر جمہوریت کا جو تصور ابھرا یہ ایک ردعمل تھا اور آپ جانتے ہیں کہ ردعمل میں اعتدال نہیں ہوتا۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ڈیموکریسی اپنے تاریخی پس منظر میں ایک ردعمل کا نام ہے دنیا میں جہاں بھی جمہوریت ہے اس کی چند اچھی باتوں کے باوجود کیا وہاں حقیقی معنوں میں عوام کی حاکمیت ہوتی ہے یا صحیح معنوں میں عوام کی رائے سے فیصلے ہوتے ہیں۔ پاکستان میں ہی دیکھ لیں آج کہا جا رہا کہ عوام کا مینڈیٹ چوری ہوا ہے ایسی صورتحال میں عوام کی حاکمیت ایک خوشنما لفظ ضرور ہے مگر اس کی حقیقت نہیں۔ جمہوریت کے دو بنیادی اصول ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ایک عوام کی سیاسی وقانونی حاکمیت جو عوام کی اکثریت کے ذریعے ظہور میں آئے

دوم ۔ ریاست کا انتظام کرنے والی حکومت کا عوام کی آزادانہ خواہش پر بننا اور تبدیل ہونا۔

اسلام اس جمہوریت کے صرف دوسرے حصے کو لیتا ہے یعنی ریاست کا انتظام کرنے والی حکومت عوام کی رائے یا مشورے سے وجود میں آئے اور عوام کی تائید سے محروم ہونے کی صورت میں تبدیل ہو جائے ۔ جمہوریت کے پہلے اصول کو اسلامی نقطہ نظر سے دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ اسلام قانونِ حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص کرتا ہے جس کے احکامات خواہ کتاب اللہ میں ہوں یا سنت رسول اللہ میں، ریاست کے لئے نا قابل تغیر وتبدل قانون کی حیثیت رکھتے ہیں جبکہ سیاسی حاکمیت کو اسلام حاکمیت کی بجائے خلافت یعنی اللہ تعالیٰ حاکم اعلیٰ کی نیابت قرار دے کر ریاست کے عام مسلمان باشندوں کے حوالے کر دیتا ہے ۔ یہ خلافت عوام کی اکثریت یا ان کے معتمد الیہ نمائندوں کی اکثریت کے ذریعے عملاً ظہور میں آئی ہے ۔ اس بنیادی فرق کو دیکھتے ہوئے اسلامی ریاست کو مغربی اصطلاح کے مطابق جمہوریت یا ڈیموکریسی کہنا بھی کسی طرح درست نہیں ۔ اسلام کے شورائی نظام اور مغربی جمہوریت میں باہمی اختلافِ رائے کے وقت فیصلہ کثرتِ رائے کے تابع ہوتا ہے ۔ کثرتِ رائے کے مقابلے میں نہ امیر کی کوئی حیثیت ہے نہ کسی دوسرے اہل رائے اور تجربہ کار لوگوں کی جن کے متعلق کہا جاتا ہے یہاں لوگوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں جاتا۔

دوسرا سیشن

صدارت: ڈاکٹر راغب نعیمی

پرنسپل جامعہ نعیمیہ لاہور

علامہ یونس قاسمی

مدیر ماہنامہ خلافتِ راشدہ فیصل آباد

ہمارے ہاں جب جمہوریت کی بات کی جاتی ہے تو اکثر یہ تاثر دیا جاتا ہے کہ جمہوریت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے دیے ہوئے تصورِ ریاست سے مختلف کوئی نظام ہے۔ شاید اسی وجہ سے اکثر و بیشتر اسلام کا تقابل جمہوریت کے ساتھ کیا جاتا ہے، کیونکہ سمجھا یہ جاتا ہے کہ خلافت اور جمہوریت دو بالکل مختلف تصورات اور دو مختلف فکروں کے داعی ہیں۔ میری رائے میں اسلام اور جمہوریت کا کوئی تقابل نہیں بنتا، کیونکہ اسلام کا تقابل عیسائیت، یہودیت، ہندومت اور بدھ مت سے تو کر سکتے ہیں، جمہوریت سے نہیں، کیوں کہ اسلام ایک دین و مذہب ہے، اس کا تقابل کسی اور دین و مذہب کے ساتھ ہی ممکن ہے۔ جبکہ جمہوریت کوئی مذہب یا دین نہیں، بلکہ محض حکومت چلانے کا ایک طریقہ کار ہے۔

اگر یہ مان لیا جائے کہ اسلام کا تصورِ ریاست جمہوریت کے تصورِ ریاست سے بالکل مختلف ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں پاکستان جیسے ملک میں خلافت کا نظام نافذ کرنے کے لیے ایک پورے نظام کو لپیٹنا پڑے گا۔ ایک نظام کو گرا کر دوسرے نظام کو نافذ کرنے کے عمل کو دنیا کی تمام سیاسی لغات میں انقلاب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اسلام کے تصورِ ریاست یعنی نظام خلافت کو نافذ کرنا چاہتے ہیں تو یہاں جمہوریت کا تختہ الٹنا پڑے گا۔ اس صورت حال میں سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان اس انقلاب کا متحمل ہو سکتا ہے؟ پاکستان جن معاشی و معاشرتی مسائل سے دوچار ہے یہاں تقسیم در تقسیم کی جو صورت حال ہے، جس طبقاتی نظام کا ہمیں سامنا ہے، جہاں فرقہ ورانہ بنیادوں پر سیاسی تقسیم ہے اور لسانیت، صوبائیت و عصبیت کی بنیاد پر حکومتیں بنتی ہیں۔ ایسے حالات سے گزرنے والے ملک میں انقلاب کی باتوں سے خون خرابہ تو ہو سکتا ہے کسی نظام کو الٹا نہیں جا سکتا۔

میرے خیال میں اس بات کا بہت گہرائی کے ساتھ مطالعہ اور بڑے شرح صدر کے ساتھ اس کا تجزیہ کیا جانا چاہیے کہ کیا واقعی جمہوریت خلافت سے متصادم ہے اور ہے تو کس قدر؟ یہ بات جو بڑی شد و مد کے ساتھ کی جاتی ہے کہ خلافت ایک شورائی نظام ہے۔ میرے خیال میں جمہوریت بھی شورائی نظام ہے اور یہ ایک ایسا نظام ہے جس میں ہر آدمی کو اس بات کا حق دیا گیا ہے کہ وہ مجلس شوریٰ کے لیے اپنے نمائندے کا انتخاب کرے۔ ان نمائندوں سے بننے والی مجلس شوریٰ کو جو سب سے پہلے ذمہ داری سونپی جاتی ہے وہ ریاست میں اپنے امیر (سربراہ حکومت) کا انتخاب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرنا ہوتا ہے۔ خلافت نے جو طریق ہائے انتخاب متعارف کروائے ہیں ان میں سے قریب قریب ایک یہ بھی ہے۔ تصویر کے دونوں رخ ایک جیسے ہیں فرق صرف اصطلاحات کا ہے۔ ہمارے ہاں جو ریاستی سطح پر خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کی ذمہ دار جمہوریت نہیں بلکہ اس کا ذمہ دار ہمارا معاشرہ ہے جو نہ صرف یہ کہ کرپٹ ہے بلکہ فکری اور اخلاقی انحطاط کا بھی شکار ہے۔ ورنہ یہی جمہوریت فرانس، برطانیہ اور امریکا میں بھی تو ہے جہاں بہت ساری چیزوں سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر اس قدر نظری و عملی خرابیاں نہیں جس قدر ہمارے ہاں پائی جاتی ہیں۔

میرے خیال میں ہمیں جمہوریت کو بالکل رد نہیں کرنا چاہئے کیونکہ میرا یقین ہے کہ جمہوریت کی بحث اس وقت تک مکمل ہی نہیں ہوتی جب تک خلافت راشدہ کا ذکر نہ کیا جائے۔ سولہویں اور اٹھارہویں صدی میں جمہوریت کے علم برداروں نے شہریوں کو جو حقوق فراہم کیے، دین اسلام ان سے کئی صدیاں قبل وہ حقوق فراہم کر چکا تھا۔ امیر المومنین سیدنا عمر فاروق اعظمؓ یہ حقوق اپنی ریاست کے شہریوں کو انقلاب فرانس سے صدیاں پیشتر ہی دے چکے تھے۔ مغرب نے اٹھارہویں صدی میں یہ چاہا کہ قانون کی نظر میں بادشاہ اور شہری کا درجہ برابر ہو، جبکہ اس کا عملی مظاہرہ صدیوں پہلے اسلام کر چکا تھا۔ اہل مغرب نے حکمرانوں کے احتساب، آزادی اظہار اور عدلیہ کی آزادی کی تحریکات سولہویں صدی میں شروع کیں جبکہ آج سے چودہ سو سال پہلے خلافت راشدہ کے دور میں یہ سب کچھ موجود تھا، عدلیہ آزاد تھی، جس کے سامنے خلیفہ وقت بھی عام شہری کی طرح پیش ہونے کا پابند تھا، حکمرانوں کا احتساب بھری محفل اور برسر منبر کیا جاتا تھا، آزادی اظہار کی اتنی اجازت تھی کہ خود حضور نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ مشورہ اور حکم میں فرق معلوم کرتے تھے اور مشورہ ہونے کی صورت میں عمل نہ کرنے میں آزاد ہوتے تھے۔ سو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مغرب کو جمہوریت اور جمہور کے حقوق کا خیال اسلام کے بعد ہی آیا ہے، اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ جمہوریت ہماری ہی گم شدہ میراث ہے، جس پر آج مغرب نے قبضہ کر رکھا ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پروفیسر حافظ خالد
رہنما تنظیم الاخوان پاکستان

حقیقی جمہوریت کا آغاز حضور نبی کریمؐ کے دور اطہر کے بعد شروع ہوا۔ چاروں خلفاء کا انتخاب دیکھ لیں اس کا تجزیہ کریں حضرت عمرؓ نے جن چھ افراد کی کمیٹی بنائی اس تصور کو دیکھ لیں تو آپ کو یہ بات نظر نہ آئے گی کہ ہم ہی جمہوریت دینے والے ہیں۔ لیکن میں مغربی جمہوریت کی بات نہیں کر رہا ہمارے اپنے تصورات ہیں لیکن ہم یہ تصورات دے کر کہیں کھو گئے۔ یہاں حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا تذکرہ ہوا لیکن بحیثیت مجموعی ہم ایک موڑ مڑ گئے یہ موڑ کئی سو سال کا ہے۔ آج سے تین سو سال پہلے مغرب میں ارتقاء شروع ہوا کہ بادشاہ کون ہوتا ہے۔ سکالرز نے لوگوں کو شعور دیا اس کے نتیجے میں سب سے پہلے فرانس میں پھر یورپ میں جمہوریت نظر آئی۔

ہماری جمہوریت پر بھی یہاں سیر حاصل بحث ہوئی کہ اس میں نمائندوں کی سو فیصد اکثریت بھی ان احکامات کو چھیڑ نہیں سکتی جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہمیں حتمی طور پر دیئے ہیں۔ اس لئے عدلیہ کو پارلیمنٹ کے بنائے ہوئے قوانین کو ریویو کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ قرآن نمائندوں کے لئے چالیس سال کی عمر کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ مجلس شوریٰ میں نمائندے خالی الذہن ہو کر آتے تھے آج جمہوریت جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کی باندی ہے۔ حضرت عمرؓ کا قول مشہور ہے کہ اگر فرات کے کنارے ایک کتا بھی بھوک سے مر گیا تو روزِ حشر کو عمر سے پوچھا جائے گا۔ حضرت عمرؓ انتقال کے بارہ سال بعد اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر کے خواب میں آئے۔ بیٹے نے شکایت کی کہ اتنے عرصے بعد خواب میں ملے تو آپ نے فرمایا کے میں اللہ تعالیٰ کے ہاں حساب کتاب دینے میں مصروف تھا۔ میرے دور میں لکڑی کا ایک پل ٹوٹا ہوا تھا اور وہاں سے ایک بکری نیچے گر گئی اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی اللہ نے مجھ سے سوال کیا کہ عمر یہ کیوں ہوا۔ آج ہمارے ہاں کیا ہو رہا ہے، ہماری سڑکوں پر جو حادثات ہو رہے ہیں ان کے ذمہ دار حکمران ہیں۔ ہماری فلاح ممکن نہیں جب تک اللہ اور اس کے رسول کے قوانین، اپنی روح کے ساتھ لاگو نہیں ہو جاتے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مفتی منصور احمد
کالم نگار مذہبی سکالر

جمہوریت پر بات کرتے ہوئے ہم کئی چیزوں سے دانستہ نظر چرا رہے ہیں۔ جب ہم بات کرتے ہیں کہ اسلام طرز حیات ہے دستور زندگی ہے۔ یہ درست بات ہے تو کیا اسلام کے پاس اپنا کوئی سیاسی نظریہ یا نظام حکومت نہیں۔ ٹھیک ہے کہ 1924 سے لے کر آج تک اسلامی نظام کہیں نہیں ہے۔ لیکن کیا خلافت کا لفظ اتنا معیوب ہو گیا ہے کہ ہم اسلام کے نظریۂ سیاست پر گفتگو کرتے وقت خلافت کا لفظ بولنے پر بھی تیار نہیں ہوتے۔ بعض حضرات نے پوری گفتگو خلافت پر کی اس کے اصول بھی بیان کئے لیکن اس کو نام جمہوریت کا دیا ہے۔ ہر کوئی جمہوریت کے اپنے معنی لیتا ہے کوئی اسے سیکولر کہتا ہے، اس کا مفہوم واضح ہے نہ مقاصد، مشرق کی جمہوریت الگ ہے مغرب کی الگ۔ مجددی صاحب نے کہا کہ ہم اضطراری حالت میں ہیں۔ جمہوریت پر بات کرتے ہوئے عالمی تناظر میں بات کرنی چاہئے کیونکہ مسلمان پوری دنیا میں ہیں جبکہ پاکستان کے آئین کو ہمیں اپنے تناظر میں دیکھنا ہوگا۔ میری نسبت علمائے دیوبند سے ہے میرے ہاتھ میں ایک فتویٰ ہے جو ہمارے پورے مکتب فکر کی نمائندگی کرتا ہے حضرت اقدس شہیدِ اسلام مولانا لدھیانوی صاحب کی کتاب ''آپ کے مسائل اور ان کا حل'' جلد نمبر آٹھ، صفہ نمبر 176 پر یہ موجود ہے۔

''جمہوریت دور جدید کا وہ صنم اکبر ہے جس کی پرستش اوّل اوّل دانایانِ مغرب نے کی چونکہ وہ آسمانی ہدایت سے محروم تھے اس لئے ان کی عقلِ نارسا نے دیگر نظام ہائے حکومت کے معاملے میں جمہوریت کا بت تراش لیا اور پھر جب اس کا غلغلہ بلند ہوا تو مسلمانوں نے بھی تقلیدِ مغرب میں اس کی مالا جھپنی شروع کر دی۔ کبھی یہ نعرہ بلند کیا گیا کہ اسلام جمہوریت کا علمبردار ہے اور کبھی اسلامی جمہوریت جیسی خبیث اصطلاح وضع کی گئی۔ حالانکہ مغرب، جمہوریت کے جس بت کا پجاری ہے اس کا نہ صرف اسلام سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلام کے سیاسی نظریئے کی ضد ہے اس لئے اسلام کے ساتھ جمہوریت یا اس کی اصلاحات کا پیوند لگانا اور جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنا صریحاً غلط ہے''۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہاں پر جو باتیں کی گئیں وہ جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنے کے لئے ہیں۔ جمہوریت کو ہم نے اضطرار کی حالت میں قبول کیا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ پاکستان کو ہم نے جہاد کے ذریعے فتح نہیں کیا دوسری جنگ عظیم کے بعد جب انگریز کا قبضہ اپنی کالونیوں پر مستحکم نہیں رہا تو اس نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ حکومتیں ان کے حوالے کر و نظام ہمارا رہے تا کہ ہماری گرفت مضبوط رہے۔ اس وقت کے معروضی حالات میں اس وقت کے جید اکابرینِ دین نے قرار دادِ مقاصد کا جو راستہ آئین کو دیا وہ ان کی عظیم کامیابی ہے۔ 1973 کے آئین میں جو اسلامی دفعات ہیں وہ اس کامیابی کی اگلی منزل ہیں۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوموں کی زندگی میں پچاس ساٹھ سال کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔ ہمیں یہ بات تسلیم کرنی چاہئے کہ اسلامی دفعات کے باوجود یہاں اسلام نہیں ہے۔ اللہ کے احکامات کے نفاذ کیلئے عوامی تائید کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ میں نے مکہ مکرمہ میں اپنے استاد کے درجے کے ایک بزرگ سے گفتگو کی۔ تب سوات کا آپریشن ہو رہا تھا میں نے عرض کی کہ آپ یہ نہ کہیں کہ سوات والے ہماری بات نہیں مانتے آپ یہ نہ کہیں کہ انھوں نے کفر کیا ہے ان کے لوگ علمی بات کر رہے ہیں وہ دلائل کی بات کر رہے ہیں میڈیا پر آ کر بات کر رہے ہیں کتابیں لکھ رہے ہیں۔ ہمارا قصور یہ ہے کہ ہم نے ان کے مؤقف کو سنا نہیں اور ان کو جواب دینے کی کوشش بھی نہیں کی، ہم نے صرف میڈیا پر بیانات داغے اور ان کو فتوے سنائے۔ میں ان لوگوں کے ساتھ نہیں، میری علمی رائے بھی ان سے مختلف ہے میری ان لوگوں کے ساتھ پوری پوری رات کی مجلسیں ہیں۔ یہاں جو علما بیٹھے ہیں انھوں نے بھی ان کا مؤقف نہیں سنا۔ اب بھی اگر نہیں سنا گیا تو پھر وہی ہوگا جو ہو رہا ہے۔ میں ایک سوال آپ کی خدمت میں رکھنا چاہتا ہوں کہ قرآن میں غلبہ دین کا جو مقصد ہے اور بعثتِ نبویؐ کی جو علت بتائی ہے وہ کدھر گئی۔ کیا اقامتِ دین صرف یہی ہے کہ ہمارا مدرسہ چلے ہمارا منبر قائم رہے یہاں سے حج کا ویزہ لگے اگر یہی کچھ اسلام ہے تو پھر امریکہ و یورپ سے بڑا اسلامی ملک کوئی نہیں کیونکہ وہاں سے حج و عمرے پر جانا آسان ہے یہاں سے جانا مشکل ہے۔ وہاں پر بھی نماز کی ایسی ہی سہولت ہے جیسی یہاں پر ہے۔ امام ابوبکر جصاص نے ''احکام القرآن'' میں جو اجماع نقل کیا ہے کہ اسلام میں ایمان کے بعد اہم ترین چیز غلبۂ دین ہے۔ اس کو دیکھتے ہوئے اللہ کے دین کی سربلندی کیا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چیز ہے اور اگر یہی کچھ درست ہے تو پھر ہمیں اپنے بہت بڑے ماضی اور مصادرِ اسلام سے صرف نظر کرنا پڑے گا۔

علامہ محمد صادق قریشی

نائب امیر تحریک منہاج القرآن

ہمیں بحیثیت مسلمان یہ بات نظر انداز نہیں کرنی چاہئے کہ نبی کریمؐ کے وارث ہوتے ہمارے کندھوں پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ فتح کی آیت نمبر 28 اور سورۃ صف میں کیا ہے کہ وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو دین ہدایت اور دین حق کے لئے بھیجا تا کہ اس دین کو عام ادیان پر غالب کر دے۔ دین صرف روایات کا نام نہیں۔ دین ایک مکمل طرزِ حیات ہے جس میں ہر چیز شامل ہے جس کا اشارہ سورۃ مائدہ میں بھی فرمادیا گیا کہ جو بھی اسلام کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام اختیار کرے گا اللہ کی نگاہ میں وہ نظام قابل قبول نہیں ہوگا۔

دین کے دو رنگ ہیں مذہبی اور سیاسی، سیاسی اسلام میں سیاسی، معاشی استحکام اور سوشل سیکورٹی کا نظام ہے۔ رسول کریمؐ نے جو ریاست مدینہ میں قائم کی وہ ہمارے لئے رول ماڈل ہے اس میں تمام سیاسی جماعتیں تھیں، یہود بھی اس کا حصہ تھے، مشرکین بھی مسلمان بھی اور عیسائی بھی۔ رسول پاک کو سربراہِ ریاست تسلیم کیا گیا تھا۔ پھر خلافت راشدہ ہے جب بھی دین اسلام آئے گا اس کے لئے رول ماڈل خلافتِ راشدہ ہوگی۔ خلافت کے بغیر اسلام میں کوئی نظام قابل قبول نہیں۔ سیاسی استحکام میں سیاسی جماعتوں کا وجود ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے انتخاب کے وقت انصاریوں کی جانب سے بھی نمائندہ موجود تھا۔ ادھر سے حضرت عمرؓ کو نمائندہ چنا گیا۔ حضرت ابوبکرؓ پر 33 ہزار افراد نے بیعت کی اور ان کو خلیفہ چن لیا گیا۔ حضرت عمرؓ کے انتخاب کے وقت حضرت ابوبکرؓ نے ان کو نامزد کیا تھا۔ پھر شوریٰ عام میں ان کو منتخب کر لیا گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ کی بار چھ رکنی پارلیمنٹ تجویز کی گئی جس کے تین تین ووٹ ٹائی پڑ گئے۔ پھر انصار اور مہاجرین مدینہ کی 50 اراکین پر مشتمل کمیٹی کے سامنے کیس گیا اس پر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو چیف الیکشن کمشنر بنایا گیا جنھوں نے گھر گھر جا کر لوگوں کی رائے معلوم کی۔ چند ووٹ حضرت عثمان غنیؓ کے زیادہ ہونے پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انھیں خلیفہ چن لیا گیا۔اس دوران ایک اور پارٹی نے راتوں رات سیدنا حضرت علیؓ کے پاس آ کر کہا کہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں یہی المیہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے وقت بھی اٹھایا گیا تھا لہٰذہ یہ بات ثابت ہے کہ سیاسی جماعتوں کا نظام موجود تھا لیکن اس کے لئے شرط یہ ہے کہ جتنی سیاسی جماعتیں ہوں گی ان کا منشور اسلام کے خلاف نہیں ہوسکتا۔جو اسلام کے خلاف منشور لائے گا اس کی اسلامی ریاست کے آئین کے اندر کسی قسم کی گنجائش نہیں ہوگی ۔

علامہ عمار خان ناصر
وائس پرنسپل الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ

موجودہ تناظر میں جب ہم بات کرتے ہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ووٹ کون دے سکتا ہے خواتین ووٹ دینے کی اہل ہیں یا نہیں، انتخاب کیسے کیا جائے بلواسطہ یا بلاواسطہ، اس گفتگو میں جو مکاتب فکر شریک ہیں اگر وہ دو تین بنیادی تصورات مان کر آگے بڑھیں تو بات آسان ہو جائے گی۔ایک نقطہ تو یہ کہ اسلام جس طریقے سے ریاست اور معاشرت کو تشکیل دینا چاہتا ہے اس میں سیاسی طاقت کی اہمیت بنیادی اور مسلّم ہے۔اسلام محض پوجا پاٹ اور اخلاقیات کا مذہب نہیں وہ معاشرے اور ریاست کو خاص شکل اصولوں اور نہج پر استوار کرنا چاہتا ہے۔اس لئے اسلام کا کوئی ایسا جامع تصور جو ریاست کے کردار سے صرف نظر کرتا ہو وہ مکمل نہیں ہوسکتا۔دوسرا نقطہ یہ ہے کہ اس وقت ہم جس صورتحال میں کھڑے ہیں جس فکر اور تہذیب کی دنیا میں سیادت ہے، جسے سیاسی غلبہ حاصل ہے اس کے زیر اثر مسلمان معاشروں میں تہذیبی، فکری، اخلاقی اور ثقافتی طور پر جو صورتحال ہے وہ اطمینان بخش نہیں ہے۔وہ تغیر، تبدیلی اور جدوجہد کی تقاضا کرتی ہے۔اسلامی نمونے میں ہم ریاست اور سیاست سے جس کردار کی توقع کرتے ہیں ہمارا نظام وہ کردار ادا نہیں کر رہا۔اس کے ساتھ ایک تیسرا نقطہ جس پر بحث ہوسکتی ہے وہ یہ کہ جمہوریت کا ماڈل اسلام کے مطابق ہے یا نہیں۔اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ ان میں انیس بیس کا فرق ہے اور ہم اس فرق کو قانون سازی کے ذریعے ہم آہنگ کر بھی لیں تب بھی ہمیں اس وقت مغرب کے فکری اور تہذیبی غلبے کا سامنا ہے۔مغرب نے جتنے نظام متعارف کروائے ہیں اس میں سرمایہ دارانہ نظام کا جو جبر ہے وہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح غالب ہے کہ ہم جمہوریت میں اپنی تبدیلیاں کر کے بھی مطلوب نتائج نہیں لے سکتے ۔اور اگر ہم یہ توقع کریں کہ ہم سرمایہ دارانہ نظام کے اندر رہتے ہوئے وہ مطلوب معاشرہ پیدا کر سکیں گے تو یہ خام خیالی ہوگی ۔ہمیں حقیقت کا ادراک کرنا ہوگا کہ جب تک یہ سرمایہ دارانہ نظام اور عالمی صورتحال قائم ہے ہم ایک حد تک ہی آگے بڑھ سکتے ہیں ۔جتنی آزادی اس نظام کے اندر ہے اس سے ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں معاشرے اور ریاست کی سطح پر ایک حد تک ہی تبدیلیاں لائی جا سکتی ہیں لیکن جبر ایسا ہے اور اس کی لگائی ہوئی قدغنیں ایسی ہیں کہ ہم جس مثالی معاشرے اور ریاست کا نقشہ رکھتے ہیں اسے ہم حاصل نہیں کر سکتے ۔سرمایہ دارانہ نظام ،ریاست اور معاشرے کو ایک بالکل مختلف سطح پر استوار کرنا چاہتا ہے ۔اسلام ان ساری چیزوں کو جس سطح پر اس استوار کرنا چاہتا ہے وہ اس سے متصادم ہیں ۔چونکہ قوت میں یہ نظام ہے اس لئے ہم اس کی فراہم کی ہوئی آزادیوں اور مواقع کے اندر رہتے ہوئے ہی فائدہ اٹھا سکتے ہیں لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ اس کو چیلنج کر کے اور اس کے بنیادی مقدمات کو توڑ کر ایسی مثالی ریاست قائم کر سکیں گے جو ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں تو یہ کم از کم اس وقت کے حالات میں ممکن نہیں ۔ہم اس نظام میں آخری حد کراس نہیں کر سکتے ۔مجموعی طور پر مسلمان معاشروں کے اہلِ علم اور مبلغ یہ مؤقف اختیار کئے ہوئے ہیں کہ دنیا کی تاریخ ،تہذیب اور سیاست میں جو تغیرات آئے ہیں ان کے جبر کو ایک امرِ واقعہ مان لیا جائے ۔تصادم جس سے ہم اپنا نقصان مزید کر لیں اور دستیاب مواقع سے محروم ہو جائیں اس سے ہم گریز کریں ۔نظام کے اندر جتنی گنجائش ہے اس سے فائدہ اٹھائیں اور پر امن راستے سے شر کو جتنی حد تک روکا جا سکتا ہے روکیں اور کوئی جذباتی راستہ اختیار نہ کریں ۔انسانی تاریخ کا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ دنیا میں بعض تبدیلیاں اتنی بڑی سطح پر آتی ہیں کہ جن میں تہذیبیں ،تہذیبوں کو فتح کر لیتی ہیں اس کے نتیجے میں سیاسی نظام اور طاقت کا تناسب بالکل بدل جاتا ہے ۔میرے علم کے مطابق جب کوئی تہذیب دوسری تہذیب پر غالب آتی ہے تو اپنے ساتھ متبادل سیاسی اور معاشی طاقت بھی لے کر آتی ہے اس لئے اس تہذیب کو اس کے دورِ عروج میں چیلنج کر کے شکست دینا شاید ممکن نہ ہو۔ اگر ہم ایسا کریں تو اپنی مشکلات ہی بڑھائیں گے اس حقیقت کا دراک کر کے ہم بات آگے بڑھائیں تو بات ہو سکتی ہے ۔میں نے دیکھا کہ بنیادی نکات پر ہمارے ہاں اتفاق ہے اگر ہم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

منصوصات کو الگ رکھتے ہوئے اجتہادی امور میں شریعت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے دنیا کی مختلف تہذیبوں نے جو تجربات کئے ان سے فائدہ اٹھائیں۔ ان کے دریافت کردہ طریقوں کو ترمیم و اضافے اور اسلامی اصولوں کے مطابق بنالیں تو شاید موجودہ حالات میں بہتری کی گنجائش نکل سکتی ہے۔ شریعت بہت واضح اور قطعی ہے اس کے تحت وجود میں آنے والے فقہی اور اجتہادی امور میں بڑا واضح فرق ہے۔ شریعت ابدی اور غیر متبدل ہے ہمیشہ کے لئے ہے۔ اجتہادی امور میں حالات اور تہذیب کا بڑا دخل ہوتا ہے ہمیں اس میں فرق کرنا چاہئے۔ اسلام مسلمانوں کی ایک پوری روایت رہی ہے بارہ سو سال ہم نے دنیا پر حکومت کی ہے ہماری اپنا نظام معاشرت اور سیاست رہا لیکن اگر واقعاتی جبر کے تحت کچھ چیزیں ہم پر غالب آگئی ہیں تو ہم ان کے ساتھ ایک طرح کا لچک دار رویہ اختیار کر سکتے ہیں جب تک کے وہ شریعت کے منافی نہ ہوں۔ دوسری چیز یہ کہ انسانی تجربات سے فائدہ اٹھانا بذات خود اسلام اور شریعت کا مستقل اصول ہے۔ میں صرف ایک مثال سے واضح کرنا چاہتا ہوں۔ یقیناً مسلمانوں کا اپنا علم سیاست رہا احکام سلطنت ایک پوری بحث ہے لیکن بہت سی چیزیں ہم دنیا کی دوسری اقوام سے سیکھ سکتے ہیں۔ مثلاً جمہوریت کا بنیادی تصور ہے کہ اس میں اختیارات تقسیم ہوں گے اختیارات کا ایک جگہ ارتکاز نہیں ہوگا تا کہ استحصال نہ ہو۔ یہ تصور ایک تجربے کے نتیجے میں سامنے آیا اس کی افادیت بھی سامنے ہے۔ کوئی مضائقہ نہیں کہ ہم اپنی تاریخ کے ساتھ تقابل کر کے دیکھ لیں۔ اسلامی تاریخ میں شاید یہ تقسیم اختیارات والا مسئلہ اتنی وضاحت کے ساتھ نہیں آیا جس کی وجہ سے ہمیں بہت سارے مفاسد بھی بھگتنے پڑے۔ مثلاً ہم سنتے آئے ہیں کہ حجاج بن یوسف نے اتنے ہزاروں لاکھوں لوگوں کو قتل کروا دیا، عدالتیں موجود تھیں، مسلمان معاشرہ اور علماء بھی موجود تھے مگر حجاج کو روکنے کے لئے کوئی میکنزم موجود نہیں تھا کیونکہ اس وقت کے سیاسی نظام یا تصور کے تحت سیاسی مقدمات میں خلیفہ کا فیصلہ ہی حرف آخر ہوتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے اگر کسی کو سیاسی مقدمے میں پکڑ لیا تو وہ پابند نہیں تھا کہ اس کو کسی عدالت میں پیش کرے۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے اگر جرم غداری کا بھی ہو تو سزا صدر یا وزیر اعظم کی صوابدید نہیں ہے۔ اس لئے کی یہ بات ان کے دائرہ اختیار سے باہر نکال دی گئی ہے میرا خیال ہے کہ ہماری روایات میں یہ بات رہی ہے کہ اگر تمدن اور تہذیب کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ارتقاء نے ایک ایسی شکل سامنے رکھی ہے جو اسلام کے اصول کے خلاف نہیں ہے تو اسے قبول کرنے میں کسی ہچکچاہٹ یا حجاب کا مظاہرہ نہیں کرنا چاہئے۔ منطقی طور پر ایک دوسرا موقف بھی اختیار کیا گیا کہ اگر یہ نظام رکاوٹ ہے اور اس کے اندر رہتے ہوئے ہم مطلوب تبدیلی نہیں لا سکتے تو ہم اس نظام کو کیوں قبول کریں اور اس کو چیلنج کر کے اس کے غلبے کو ختم کرنے کی کوشش کیوں نہ کریں۔ جنگ کے ذریعے وہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کریں جس کے نتیجے میں وہ رکاوٹیں ختم ہو جائیں۔ میرا خیال ہے اس وقت جمہوریت کے تناظر میں جو بحث ہو رہی ہے اس میں بنیادی نقطہ یہی ہے کہ اس نظام میں آپ جتنی کوشش کر لیں جتنے پیوند لگا لیں اگر یہ ہمارا مقصود نہیں تو پھر ہم کیوں اس کی پابندی کریں وہ راستہ کیوں نہ اختیار کریں جس میں ہم اس نظام کو چیلنج کریں اور اس کو ختم کر کے اسلامی ریاست اور معاشرے کے قیام کی راہ ہموار کی جائے۔ میرا خیال ہے ان حضرات کے ساتھ دو نکات پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔ میں مفتی صاحب سے اتفاق کرتا ہوں کہ جزوی طور پر کچھ باتیں ضرور ہوئی ہوں گی مگر بحیثیت طبقے کے اس نقطۂ نظر کے حاملین کے ساتھ مکالمہ نہیں ہوا اور اگر کوئی بات ہوئی بھی تو اس لہجے میں کہ پاکستان کے بڑے بزرگ علماء نے ایک راستہ اختیار کیا ہوا ہے تو آپ کو کیا حق حاصل ہے کہ اس سے مختلف راستہ اختیار کریں۔ یہ بات اپنی جگہ ٹھیک ہو سکتی ہے مگر مکالمے کی روح نہیں ہے آپ مکالمہ کرنا چاہتے ہیں تو اس کی روح لب و لہجہ مختلف ہوتا ہے۔ ایک فریق اگر استدلال رکھتا ہے تو آپ اس سے اختلاف رکھ سکتے ہیں مگر مکالمے میں آپ کو اس کی بنیاد کو موضوع بنانا پڑتا ہے کہ ہم نے ایسا کیوں کیا اور اگر آپ یہ راستہ اختیار کرنا چاہتے ہیں تو ہمارے نزدیک اس کے مفاسد کیا ہیں۔ مکالمے کے لئے ایک دو نکات کو بنیاد بنا کر بات آگے بڑھائی جا سکتی ہے مگر پہلی بات یہ کہ وہی نقطہ نظر کہ یہ حضرات آپ سے کہیں گے کہ آپ نظام کے دائرے میں جو جدوجہد کرنا چاہتے ہیں اس کے نتیجے میں وہ تبدیلی نہیں آ سکتی اس لئے اس سے مختلف راستہ اختیار کرنا چاہئے۔ ان حضرات سے یہ سوال پلٹ کر کرنا چاہئے کہ جو راستہ آپ تجویز کر رہے ہیں کیا حالات و واقعات میں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے کہ وہ راستہ اختیار کرنے سے اس کے مقابلے میں زیادہ بہتر تبدیلی پیدا کی جا سکے جو کہ اس نظام کے اندر رہتے ہوئے کی جا رہی ہے۔ خواہشات الگ چیز ہے یا کچھ ایسی مذہبی پیشگوئیاں جن کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

انطباق کا مسئلہ ہمیشہ ہمیں پیش ہے۔ان کو سامنے رکھ کر آپ کچھ امیدیں یا تصورات قائم کر کے ایک راستہ اختیار کریں گے کہ اگر ہم یہ کریں تو انشاءاللہ، اللہ کی نصرت آجائے گی۔اس سے ہٹ کر واقعات اور حالات کے دائرے میں حالات کو سامنے رکھ کر اس سوال کا جواب ان حضرات سے پوچھنا چاہئے کہ آپ بتائیں آپ جو راستہ تجویز کر رہے ہیں وہ راستہ عملاً ہمیں کہاں پر پہنچائے گا یا پہنچا سکتا ہے۔اس کے حوالے سے ہمیں ماضی سے بھی سبق سیکھنا چاہئے۔جب انگریز برصغیر میں آئے تو ان کے خلاف ایک وقت تک یہی راستہ اختیار کیا گیا اس میں علمائے دیوبند سب سے پیش پیش تھے مگر اس کے بعد انھوں نے اس راستے کی خطرناکیوں کا احساس بھی کیا اور اس راستے سے علیحدگی بھی اختیار کی۔میں یہاں پر علامہ حسین احمد مدنی کی کتاب ''ملفوضات حضرت مدنی'' کے صفحہ نمبر 21 پر درج چند مختصر اقتباسات بھی پیش کروں گا۔آپ کو معلوم ہے کہ انھوں نے نہ صرف یہ کہ عدم تشدد کا راستہ اختیار کیا تھا بلکہ انگریز کے جانے کے بعد وہ جو نقشہ اس خطے کا دیکھ رہے تھے اس میں اسلامی ریاست نام کی کوئی چیز نہ تھی اس میں ایک سیکولر ریاست تھی جس میں مسلمانوں کے حقوق کا تحفظ ہو۔اس بنیاد پر انھیں تب سے مذہبی نوعیت کے اعتراضات کا بھی سامنا کرنا پڑا کہ آپ ہندوؤں کے ساتھ اتحاد کر رہے ہیں اور ان کی بالادستی قبول کر رہے ہیں۔اس نقطہ نظر سے اختلاف بھی ہو سکتا ہے لیکن میں مثال کے طور پر پیش کروں گا۔مولانا لکھتے ہیں۔

''علماء نے بار بار ازمینہ سابقہ میں کامیابی کی انتہائی کوشش کی مگر سوائے ناکامی کے کچھ ہاتھ نہ آیا، حضرت سید احمد شہیدؒ اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے کیا کچھ نہیں کیا مگر کیا ہوا؟ 1857 میں حاجی مداد اللہؒ صاحب اور مولانا نانوتویؒ اور مولانا گنگوہیؒ نے کیا کیا نہیں کیا مگر کیا ہاتھ آیا؟ 1914 میں حضرت مولانا شیخ الہندؒ نے کیا کیا نہیں کیا مگر کیا پیش آیا؟''

ہمیں تاریخ کو بطور ایک سبق دیکھنا چاہئے اس کے بعد علماء سے ایک بہت ہی اہم سوال کہ جب آپ حکمتِ عملی بناتے ہیں تو خالی تصورات، خیلات یا مذہبی آئیڈیلزم پر نہیں بناتے بلکہ معروضی حالات بھی پیش نظر رکھتے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

علامہ خلیل الرحمٰن

مذہبی سکالر، مدیر ماہنامہ سوئے حجاز

یہ بحث جس رخ پر چلی گئی ہے یہ ادھوری رہے گی اگر ہم اس میں کچھ اضافہ نہ کریں ہتبدیلیٔ احول کی کوششیں جس کو تمکنتِ دین کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اعلائے کلمۃ الحق، احیائے اسلام سے بھی موسوم ہے ہمارا دینی طبقہ اس حوالے سے منقسم ہے یہ تین طرح سے جدوجہد کرنا چاہتا ہے پہلی جدوجہد تو جمہوری محاذوں کے اوپر ہے۔ اس نظام کے تحت وہ قوتِ نافذہ حاصل کر کے شریعت کا نظام اس کی روح کے مطابق لانا چاہتا ہے۔ ''اعصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد'' قوت نافذہ کے بغیر تو کچھ بھی حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس کوشش میں مذہبی پس منظر رکھنے والی سیاسی جماعتیں سبھی شامل ہیں جو اس تگ ودو میں شریک ہیں۔ آئین پاکستان کو بھی انہی جماعتوں کی تائید حاصل ہے دوسرا طبقہ جس کی طرف مفتی منصور اور علامہ عمار خان ناصر نے بھی نشاندہی کی وہ تبدیلی کے لئے مسلح جدوجہد پر یقین رکھتا ہے۔ ایک اور طبقہ بھی ہے جو جمہوریت کو کسی درجے پر مانتا تو ہے لیکن ساتھ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ نظام بوسیدہ ہو چکا ہے اور اس کی تنظیم نو کی ضرورت ہے اور اس کے لئے وہ عوامی انقلاب کی بات کرتا ہے لیکن طریقہ کار یہی ہے کہ بہت سارے لوگ سڑکوں پر آجائیں اور نظام کو اکھاڑ پھینکیں۔ ایک چوتھی تقسیم بھی ہے ایک طبقہ انقلاب کی بات بھی کرتا ہے اور جمہوریت کے مزے بھی لوٹ رہا ہے۔ المیہ یہی ہے کہ یہ سارے مکاتب فکر ایک صفحہ پر اکٹھے نہیں ہیں اگر ہو جائیں تو ہمیں اس نظام کے اندر رہتے ہوئے بھی قوتِ نافذہ مل سکتی ہے۔

جمہوریت ایک نظامِ حکومت بھی ہے اور ایک فلسفہ بھی، اس کے کچھ اصول اور قدریں ہیں اگر آپ ان کا جائزہ لیں تو آپ کا لگے گا یہ اسلام سے کافی مشابہت رکھتی ہیں مثلاً قانون کی حکمرانی، عدل و انصاف، انسانی حقوق، حریتِ فکر اور مساوات یہ سارے تصورات جمہوریت کے فلسفے سے ماخوذ ہیں۔ طریقہ کار میں بھی کافی مماثلت پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم انتخابات کی بات کرتے ہیں تو اس کے جمہوریت کے تحت کیا اصول ہیں اور خلافت کے تحت کیا ہیں۔ ایک اصول تو مسلمہ ہے کہ کوئی بھی اپنی مرضی اور منشاء کے تحت مسلط نہیں ہوسکتا اسے عوامی تائید کی ضرورت ہوگی۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ہم کس جمہوریت کی بات کرتے ہیں یہ پاکستان میں کیوں نہیں ہے جہاں سے ہم جمہوریت

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مستعار لیتے ہیں وہاں یہ مستحکم بھی ہے اور ڈیلیور بھی کر رہی ہے وہاں قانون کی حکمرانی ہے۔ کڑا احتساب ہے کسی وزیر مشیر سے کوئی لغزش ہو جائے تو فوراً مستعفی ہو جاتا ہے یہاں لکڑ ہضم پتھر ہضم والی بات ہے کوئی پوچھنے والا نہیں اس بات پر تحقیق کی ضرورت ہے کہ اصل جمہوریت یہاں پر کیوں نہیں پروان چڑھ سکی۔ آپ 1973 کے آئین کی بات کر لیں جس پر تمام جمہوری قوتیں متفق ہیں مگر اس قانون کو بنے ہوئے بھی 41 سال ہو گئے اس دوران 18 سال تو آرمی قابض رہی دو دو بار منتخب وزرائے اعظم کا تختہ الٹ دیا گیا۔ ماورائے آئین یا آئین کے اندر رہتے ہوئے اپنے مقاصد حاصل کر لئے گئے۔ حالیہ الیکشن کے نتائج دیکھ لیں عوام نے انھیں مسترد کر دیا جو ڈیلیور نہیں کر سکے جمہوری قوتوں کو کام تو کرنے دیا جائے۔ ایک اور بات جو میں محسوس کرتا ہوں کہ ہمارا آئین مکالمے کے لئے ٹھیک نہیں ہے مکالمے کے لئے آپ کو آئین میں موجود غلطیوں کا جائزہ لینا ہوگا اور دوسرے طبقے کے اعتراضات کا جواب دینا ہوگا۔ ایمن الظواہری کی کتاب آپ نے پڑھی ہوگی۔ خوش آئند بات یہ ہے کہ اس میں آئینِ پاکستان پر صرف آٹھ اعتراضات ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایک آدھ اعتراض پر ہو سکتا ہے کہ علامہ عمار صاحب بھی متفق نہ ہوں ایک دو پر میں بھی متفق نہیں ہوں اس طرح ہو سکتا ہے کہ پانچ چھ اعتراضات یہیں اُڑ جائیں اور باقی ایک دو ہی رہ جائیں۔ لیکن میری رائے ہے کہ ان اختلافات کو دیکھنا چاہئے۔ اسلام احتساب کا بڑا داعی ہے جمہوری روایات بھی یہی ہیں ہمارے خلفاء بھی خود کو احتساب کے لئے پیش کرتے تھے لیکن آپ مجھے بتائیں کہ اس آئین کے تحت ایک وزیر کا انتخاب کتنا سہل ہے اور کتنا مشکل۔ پہلے آپ سوال لکھ کر سپیکر کو دیں گے اس پر ایک ایک ماہ گزر جاتا ہے بحث کی اجازت نہیں ملتی اس کے بعد ایک نیا ایشو آ چکا ہوتا ہے۔ یہ کس طرح کی جمہوریت ہے جمہوریت تو یہ ہے کہ آپ خلیفۂ وقت کو پکڑ کر پوچھتے ہیں کہ آپ کا کرتا اتنے کم کپڑے میں کیسے سل گیا۔ اس کو جواب کے لئے اپنے بیٹے کو سامنے لانا پڑتا ہے کہ تم جواب دو۔ احتساب کا طریقہ کار اتنا پیچیدہ بنا دیا گیا ہے کیا یہ تقاضا نہیں کرتا کہ ہم اس کو بدل ڈالیں۔ پہلے آپ نے آئین میں دو ٹرم سے زیادہ پر پابندی لگا دی پھر اٹھا دی اب آپ نعرے لگا رہے ہیں کہ موروثی سیاست آ گئی ہے میں یہاں سیدنا عمر فاروقؓ کا حوالہ دوں گا، آپؓ سے کسی نے کہا کہ آپ خلافت اپنے بیٹے کو کیوں نہیں دے دیتے جس پر آپؓ نے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب دیا کہ اگر خلافت اچھی چیز ہے تو خاندانِ خطاب کا ایک آدمی اس سے بہرہ ور ہو چکا اور اگر بری چیز ہے تو ایک بندہ بھگت چکا۔لیکن ہم کہتے ہیں کہ جب تک میری آنکھوں میں دم ہے اس وقت تک میں خود انجوائے کروں گا اور اس کے بعد میرا بیٹا تو ہے ہی۔پھر سیاسی جماعتوں کے اندر کہاں جمہوریت ہے ٹکٹ سے لے کر عہدے بانٹنے تک آپ کو کہیں جمہوریت نظر آتی ہے۔آئین کی حد تک انصاف کا تڑکہ کر دیا مگر وہ کسی کو ملی نہیں رہا سادہ سی بات ہے کہ Justice delayed is justice denied۔ہم لوگ خود کوئی ذمہ داری نہیں اٹھاتے اور اسلامی نظریاتی کونسل پر ذمہ داری ڈال رہے ہیں جس کی عملی طور پر کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اگرچہ اس میں تمام مکاتب فکر کی نمائندگی ہے مگر حکومت کے نزدیک اس کی اہمیت ایک ردی کی ٹوکری سے زیادہ نہیں ہے اس کا کام صرف مشورہ دینا ہے اور وہ بھی اس وقت جب حکومت مانگے۔آئین کے لئے نہیں صرف قانون کے لئے۔آپ کے پاس دوسرا فورم وفاقی شرعی عدالت کا ہے جس میں آپ جا کر فیصلوں کو چیلنج کر سکتے ہیں لیکن اس کے ججوں کی کیا صورتحال ہے ہم کتنے عرصے سے شور مچا رہے ہیں کہ اس کے ججوں کی تقرری کا طریقہ کار ہائیکورٹ کے ججوں سے مساوی ہونا چاہئے۔نہ کہ ان کو کنٹرکٹ یا سیاسی رشوت کے طور پر رکھا جائے تاکہ یہ لوگ جرأت کے ساتھ شرعی مؤقف آپ کے سامنے رکھ سکیں۔اس کی تازہ مثال سود کا فیصلہ ہے 1991 میں جب یہ فیصلہ آیا تو ہم لوگ بڑے خوش ہوئے مگر اس کے بعد یہ اپیلٹ بنچ میں چلا گیا پھر فیصلہ آیا پھر نظر ثانی کی درخواست آ گئی۔2014 آ گیا مگر یہ کھلواڑ ابھی تک جاری ہے۔یہ جدوجہد 1981 سے شروع ہوئی اب پھر اسی مقام پر کھڑی ہے ان ساری چیزوں کے لئے کیا ہمیں امریکہ یا استعماری قوتوں کا ڈر ہے۔ان سارے مسائل کا حل ہم جمہوری دائرے کے اندر رہتے ہوئے حل کر سکتے ہیں۔

مفتی منصور

کالم نگار، مذہبی سکالر

علامہ عمار ناصر نے بات بڑی بھرپور کر دی ہے میں اس بارے میں ایک دو باتیں ضرور کروں گا مولانا نے جو مؤقف رکھا وہ عالمی حالات میں بہت عمدہ ہے مگر امرِ واقعہ یہ ہے کہ ہم اس

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

نظام پر مجبور کر دیئے گئے ہیں ہمیں یہ اعتراف ضرور کرنا چاہئے کہ ہم نے اس نظام کو بہ امر مجبوری قبول کیا ہوا ہے یہ بہتر نہیں ہے۔ تصادم سے بچنے کی ترغیب تو سمجھ میں آتی ہے مگر اس نظام کی ترغیب سمجھ میں نہیں آتی۔ جب علمی حلقے اس نظام کی ترغیب دیں گے تو بات بڑی غلط ہو جائے گی۔ جن حضرات کی مثالیں ہم اس طرح کے معروضی حالات میں دیتے ہیں اگر وقت ہوتا تو میں تفصیل میں جاتا کہ جب انھوں نے ترکِ تصادم یا ترکِ تشدد کا فیصلہ کیا تو انھوں نے مخصوص حالات سے نکلنے کا راستہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ شیخ الہند کا استعفیٰ سب کے سامنے ہے۔ مولانا ابو الاحسن ندوی نے ''تاریخ دعوت'' میں بڑی جامع بات کی کہ دیوبند تین چیزوں کا نام ہے علم، تقویٰ اور جہاد۔ اس چیز کو بھی سامنے رکھا جائے ایک بات یہ بھی ملحوظ رہے کہ کیا حضرت مدنی، حضرت تھانوی یا شیخ الہند جن حالات میں فیصلہ فرما رہے تھے آیا آج جن حالات میں ہم کھڑے ہیں کیا یہ وہی حالت ہے یا اس سے دگرگوں ہے یا اس سے بہتر ہے۔ یہ فیصلہ بھی ضرور کرنا چاہئے پھر آپ ترکِ تصادم کی بات پاکستان کی سرحدوں کے اندر لے آئے ہیں میں یہ سوال ضرور کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں پر تصادم ہم نے شروع ہی نہیں کیا، ہم تصادم پر مجبور کر دیئے گئے۔ افغانستان، فلسطین، کشمیر اور برما کا مسئلہ، کیا وہاں کے مسلمانوں کو بھی یہی ترغیب دینی چاہئے کہ دشمن آپ کو تباہ کر دے آپ کی تہذیب و تمدن کا خاتمہ کر دے مگر آپ پھر بھی ترکِ تصادم کریں اور اس کا فیصلہ اپنی اگلی تہذیب پر چھوڑ دیں۔ میں نے پہلے بھی اس فورم پر کہا تھا کہ تکفیر و خروج سے زیادہ اہم مسئلہ جہاد ہے اس پر بات کرنے کی ضرورت ہے۔

سوالات و جوابات

محمد سعادت علی، متعلم جامعہ نعیمیہ

میرا سوال علامہ صادق قریشی صاحب سے ہے کہ کیا ملوکیت کے اندر نظام شریعت اور حدود اللہ کا نفاذ کیا جائے تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہے جیسا کہ برونائی نے کیا ہے، کیا نفاذ اسلام سے ان کی ملوکیت بھی جائز ہو گئی ہے یا نہیں؟

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواب:۔

علامہ صادق قریشی، نائب امیر تحریک منہاج القرآن

بہت اچھا سوال ہے میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ اسلام کے عطاء کردہ نظام کی آئیڈیل صورت خلافت راشدہ ہی ہے اس کے بعد ملوکیت بھی شروع ہوئی اگر ملوکیت کے اندر جمہوریت کی روح موجود ہے تو اسلام اس کو بھی قبول کرتا ہے، اس کا انکار نہیں کرتا۔ لیکن آئیڈیل صورت خلافت راشدہ کی ہی ہوگی اسی کی طرف بالآخر لوٹ کر جانا ہوگا ملوکیت میں کسی صورت وہ اقدار نافذ نہیں ہوسکتیں۔

سوال

خالد محمود، معلم جامعہ نعیمیہ

میرا سوال مفتی منصور صاحب سے ہے آپ نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ بالکوحہ اسلام کا نفاذ کیا جاسکتا ہے، جب ہم حالاتِ حاضرہ کو دیکھتے ہیں تو کیا ہماری حکومتیں اس نہج پر پہنچ چکی ہیں کہ ان کے خلاف بالکوحہ جہاد کیا جائے اور اسلام کو نافذ کیا جائے یا پھر اس کی کوئی دوسری صورت بھی نکل سکتی ہے؟

جواب:۔

مفتی منصور، کالم نگار، مذہبی سکالر

یہاں پر بالکوحہ سے مراد طاقت نہیں ہے یہاں پر اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات ہیں اس لئے یہاں پر امکانی سطح پر تو اسلام نافذ ہے یہ بحث یہاں کے علماء میں کسی سطح پر بھی موجود نہیں کہ یہ دارالسلام ہے یا نہیں۔ وہاں بالکوحہ ہونا ضروری ہے بالکوحہ کے بعد دوسرا درجہ بالفیل ہوتا ہے۔

سوال:۔

نواز کھرل، صحافی

ہم علماء سے سنتے آئے ہیں کہ اگر کوئی شخص عہدے کے لئے خود کو پیش کرے تو ایسا آدمی اچھا نہیں ہوتا اور اس شخص کو وہ عہدہ نہیں دیا جانا چاہئے لیکن ہمارا جو نظام انتخاب ہے اس میں تو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

امیدوار خود کو پیش بھی کرتا ہے اور ووٹ بھی مانگتا ہے اس لحاظ سے ہم اس نظام کو کیسے اسلامی کہہ سکتے ہیں ؟

جواب:۔

مفتی محمد زاہد، وائس پرنسپل جامعہ امدادیہ فیصل آباد

اگر ہمارے درمیان کوئی آئینی ماہر ہوتے تو امر واقعہ کی وضاحت بہتر طریقے سے کرتے۔ مثال کے طور پر آئین کے اندر لکھا ہوا ہے کہ صدر کو سزا معافی کا اختیار ہے علماء کے نزدیک یہ اسلامی طریقہ نہیں اگر کوئی آئینی ماہر ہوتا تو ہمیں بتاتا کہ وہ کون سے حالات ہوتے ہیں جب صدر یہ اختیار استعمال کرتا ہے وہ کن امور اور جرم کی نوعیت کو مدنظر رکھتا ہے یا نہیں۔ جہاں تک طلب منصب کا معاملہ ہے یہ بحث نئی نہیں۔ علماء اور محدثین اس پر آراء دیتے رہے ہیں تاہم مثالی صورت تو یہی ہے کہ کچھ لوگ امیدوار تجویز کریں۔ جیسا کہ ہمارے آئین میں بھی ہے کہ دو لوگ تجویز کنندہ ہوتے ہیں لیکن بعض حالات میں استثنیٰ کی اجازت حدیث سے ثابت ہوتی ہے۔ حضرت یوسفؑ کا واقعہ بھی ہے بعض علماء اس بات پر متفق ہیں کہ کچھ حالات میں خود کو منصب کے لئے پیش کرنے کی گنجائش موجود ہے۔

صدارتی خطبہ

ڈاکٹر راغب نعیمی

پرنسپل جامعہ نعیمیہ لاہور

آج کی گفتگو دیکھ کر کہا جا سکتا ہے کہ ہمیں مکالے کی اہمیت کو تسلیم کرنا ہوگا، مکالے کی اہمیت مجادلے اور مناظرے سے بڑھ کر ہے۔ مکالے کے ذریعے ہم جان سکتے ہیں کہ دوسرے آدمی کا موقف کیا ہے اور اس کو ثابت کرنے کے لئے وہ کون سے دلائل دیتا ہے۔ ان دلائل کو دیکھتے ہوئے ہم یہ فیصلہ کریں گے کہ کیا ان دلائل کو قبول کر لیا جائے یا پھر ان کو رد کرنے کی کوئی معقول دلیل موجود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ مکالے کی حقیقی روح کے ساتھ آج کی یہ نشست اپنے اختتام کو پہنچی ہے۔ جہاں تک جمہوریت کی بات ہے ہم ذرا تصور کریں جب مسلمان پوری دنیا پر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حکومت کر رہے تھے یہ وہی دور ہے جب یورپ اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ یورپ نے اس تعلیم کی بنیاد پر جو مسلمانوں سے مستعار لی تھی، ترقی پر گامزن ہوا۔ لیکن آج کے حالات دیکھیں 1857 یا 1924 کے بعد کیا یہ مسلمانوں کے لئے سیاہ دور نہیں ہے۔ جمہوریت کا موجودہ تصور ہمارے فاتحین کا دیا ہوا ہے جب یہ تصور آیا تو ہماری ایک نسل نے اس کے آگے مزاحمت کی دوسری نے کچھ چیزیں اپنالیں اور تیسری نے اسے من وعن قبول کر لیا۔ جمہوریت کے بارے میں ماضی میں ہمارا رویہ کیا تھا اور آج کیا ہے۔ جو علماء معاملات کو گہرائی کے ساتھ نہیں دیکھتے ان کے نزدیک ہمارا آئین غیر اسلامی ہے۔ جو فکری مباحث آج یہاں ہوئی ہے یہ صرف اسی صورت سود مند ہو سکتی ہے جب اس کا ماحاصل ایک عام امام مسجد کو بھی ملے۔ دوسرا یہ کہ جب ہم نے یہاں پر آئین، پارلیمنٹ اور اجماع کی بات کی ہے۔ علامہ اقبال کا تصور اجتہاد جو پارلیمنٹ سے متعلق ہے اس پر بات کی جا سکتی ہے اسی طرح علامہ اقبالؒ نے Reconstruction of Islamic Thoughts میں جو نظریہ پیش کیا ہے جس میں تین ایوانی سسٹم کی بات کی گئی ہے۔ ان کے اوپر علماء کی ایک جماعت کا تصور دیا گیا ہے جو تمام قوانین کے اوپر چیک رکھیں۔ جب علامہ نے یہ تصور دیا اس وقت ایران میں علماء کی کونسل موجود تھی انھوں نے اس کونسل کے فوائد ونقصانات بھی بیا ن کر دیئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کا تصور بھی شاید علامہ کے اسی تصور سے لیا گیا ہے۔ لیکن یہ اس طریقے سے تشکیل نہیں ہو پائی جس طرح علامہ کا تصور تھا۔ یہاں پر سیاسی جماعتوں کی بات کی گئی میں سمجھتا ہوں کہ ایک اسلامی ملک میں کیا کسی غیر اسلامی ایجنڈے کی سیاسی جماعت کی گنجائش ہو سکتی ہے اگر نہیں تو پھر مذہبی اور غیر مذہبی سیاسی جماعتوں کی تقسیم کی بات کیوں ہے۔ یہاں پر پارلیمانی یا صدارتی نظام کی بات کی گئی کیا صدارتی نظام ملوکیت کے قریب نہیں ہے جہاں پر صدر کے نیچے چار چھ بندے ہی مختارِ کل ہوتے ہیں۔ آج کل اس میں ترمیم کر کے صدر کے نیچے کانگریس کو رکھ دیا گیا ہے۔ جہاں تک پاکستان کی بات ہے کیا پاکستان کی تشکیل ایک جمہوری رویئے کی وجہ سے نہیں ہوئی۔ گو کہ انگریز یہاں سے جانا چاہ رہا تھا مگر اس نے یہاں کے لوگوں کی رائے لے کر پاکستان بنایا۔ پاکستان جبر یا طاقت کے بل بوتے پر نہیں لیا گیا۔ یہاں پر کئی سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ آج کل جو لوگ کہتے ہیں کہ قائد اعظم سیکولر تھے کیا ایک سیکولر

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بندے نے اسلامی ریاست بنانی تھی۔ دوسرے مکتب فکر کا کہنا ہے کہ قائداعظم کے خیالات بدل چکے تھے اور ان کے اندر اسلام کا لقطۂ نظر بہت واضح ہو گیا تھا۔ ایسے سوالات بھی بحث طلب ہیں ۔ایک بات بالکل واضح ہے کہ آئیڈیلزم ہوتا ہے تو بندہ مطلوب تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے لیکن آئیڈیل کے حصول کے لئے قوتِ نافذہ بھی ہونی چاہئے۔ فکری مباحث کو قوت نافذہ کے بغیر نافذ نہیں کیا جا سکتا۔ لیکن دوسرا سوال یہ ہے کہ ہمارے معاشرے کے عامۃ الناس ان فکری مباحث کو قبول کرنے کو تیار ہیں بھی یا نہیں۔ یہ وہ معاشرہ ہے جس کی بنیاد تھانہ کچہری کلچر کے اوپر ہے۔ یہ ایسے لوگوں کو ہی اسمبلیوں میں بھیجتا ہے جو ان کے اس طرح کے مسائل حل کر سکیں اگر یہ میرے اور آپ جیسے بندے کو جن کی سرشت میں ہی صدق بیانی ہے کو اسمبلیوں میں بھیجتے ہیں تو وہ تو ان کے ایسے کام نہیں کرے گا پھر کیا یہ ایسے بندے کو دوبارہ منتخب کریں گے۔ یہاں صدر کی جانب سے سزاؤں کو معاف کرنے پر بات ہوئی ہے اس وقت آٹھ ہزار سے زائد مجرموں کو پھانسی کی سزا سنائی جا چکی ہے مگر حکومت ان پر عمل درآمد نہیں کر رہی۔ صرف آرٹیکل 45 پر بحث کیوں، ہمیں اس پر بھی بحث کرنی چاہئے کہ جن کو سزا ہو چکی ہے اس پر عمل درآمد کیوں نہیں ہو رہا۔ اگر سزاؤں پر عمل ہو گا تو معاشرے میں تطہیر ہو گی۔ کھرل صاحب نے نمائندوں کی جانب سے طلب منصب کی بات کی۔ میں سمجھتا ہوں کہ پاکستان کے آئین میں اس مسئلے کا حل پیش کر دیا گیا ہے ایک یہ کہ پہلے پارٹی ٹکٹ دیتے وقت اور اس کے بعد جب یہ الیکشن کمیشن میں کاغذات جمع کرانے جاتے ہیں تو ایک تجویز کنندہ اور ایک تائید کنندہ ہوتا ہے۔ اسی طرح یہاں آئین کے باغیوں کا سوال اٹھایا گیا میرا خیال ہے کہ اس کا فیصلہ عدالتوں کو کرنا چاہئے کہ جو آئین کو نہیں مانتے ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جانا چاہئے۔ اسلام میں اس وقت تک حزب اختلاف کا تصور ہے جب تک دو فریقوں میں سے کسی ایک کا چناؤ نہیں ہو جاتا جیسے کے حضرت ابوبکر صدیقؓ کا انتخاب جب ہو گیا تو مہاجرین نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور انصار نے بھی۔ جو تصور آج حزب اختلاف کا یہاں پاکستان میں ہے کہ جو ہار جاتا ہے وہ چار چھ ماہ بعد حکومت کی ٹانگیں کھینچنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ اسلام کا تصور نہیں ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکالمہ سوم

بتاریخ: 11 اگست 2014

بمقام: اسلام آباد

میزبان: محمد عامر رانا، ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز اسلام آباد

صدارت: ڈاکٹر قبلہ ایاز، وائس چانسلر اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

محرک بحث: ڈاکٹر خالد مسعود، سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل حکومت پاکستان

شرکائے گفتگو:

مفتی محمد خطیب مصطفائی، مہتمم مدرسہ فاطمہ الزہرہ اسلام آباد

ڈاکٹر رشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سینٹر پشاور یونیورسٹی

علامہ ممتاز نظامی، پرنسپل جامعہ محمدیہ غوثیہ چک شہزاد اسلام آباد

پروفیسر راجہ محمد اسلم خان، تنظیم الحق راولپنڈی

خورشید ندیم، کالم نگار و اینکر پاکستان ٹیلی ویژن اسلام آباد

پروفیسر مشتاق احمد، ڈیپارٹمنٹ آف لاء بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

صاحبزادہ حسن فاروق، پی ایچ ڈی سکالر شیخ زید اسلامک سینٹر پشاور یونیورسٹی

ڈاکٹر منیر احمد، خطیب مکی مسجد آغا خان روڈ F/6 اسلام آباد

علامہ عبدالقدوس محمدی، ترجمان وفاق المدارس العربیہ اسلام آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام آباد میں منعقدہ مباحثے کے شرکاء

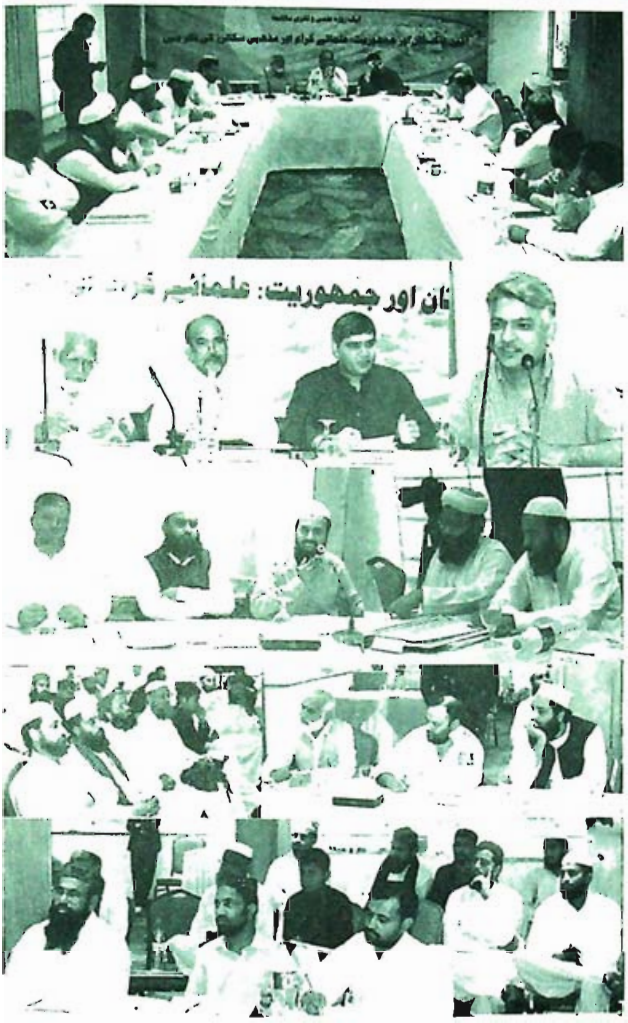

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر قبلہ ایاز

وائس چانسلر اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

حالیہ عالمی تناظر میں یہ موضوع بہت اہم ہوگیا ہے۔عراق، صومالیہ، افغانستان اور یمن بلکہ مغربی دنیا میں بھی مسلمان اپنے معاشروں سے اور آبائی ممالک کے حالات سے متاثر ہوکر اسی قسم کے سوالات اٹھا رہے ہیں۔اس لئے یکسوئی کے ساتھ اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا دینی طبقہ بہتر طریقے سے دوسرے لوگوں کی رہنمائی کر سکے۔اپنے ملک اور ملت اسلامیہ کے لئے بہتر لائحہ عمل کا انتخاب ہو۔

ڈاکٹر خالد مسعود

سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

پاکستان اور عالم اسلام میں اسلام کے سیاسی نظام پر بہت بات ہوتی ہے۔یہ دور جدید کی اصطلاح ہے اور اس پر بات ہوئی ہے اگر ہم اپنی فقہ کی تاریخ کو دیکھیں تو دو چیزیں میں عرض کروں گا ایک تو یہ کہ یہ فقہ کی عام کتابوں کا موضوع ہی نہیں ہے اور اس پر بحث نہیں ہوتی۔جب فقہاء سے درخواست کی گئی کہ اس موضوع پر رہنمائی کریں تو اس پر الگ سے کتابیں لکھی گئیں۔ماوردی سے لے کر اب تک جتنی کتابیں لکھی گئیں ان میں خلیفہ کو منتخب کرنے کے جو طریقے بیان کئے گئے ان سب کا ایک ایک کر کے جائزہ لیا گیا کہ اسلام میں ایسے ہوتا ہے۔ہمارے استاد کہتے تھے کہ احکام کی تین قسمیں ہیں ایک تکلیفی ایک وضعی اور ایک امضائی، امضائی کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ تجربے سے حاصل ہوا۔اس پر علماء نے کہا کہ یہ بھی ایک طریقہ ہے خلیفہ کا انتخاب یا حکومت کی شکل کیا ہوگی۔جو تجربات تاریخی طور پر ہوئے امت مسلمہ نے اس کو قبول کیا اور وہ ہمارے اصول میں شامل ہوگئی۔اب ان سب کیلئے ایک اجتماعی اجتہاد کی ضرورت ہے انفرادی آراء، تجربہ اور نظریات اب ہمارے پاس کافی ہیں۔اتفاق رائے قائم کرتے ہوئے کچھ اصول طے ہیں۔ان پر انیسویں اور بیسویں صدی میں بحث ہوئی ہے لیکن ابھی تک یہ انفرادی یا کچھ جماعتوں کی رائے ہے۔دوسری چیز جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری سوچ اور فقہ میں جتنی بحث ہے وہ ادارتی کم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اور شخصی زیادہ ہے۔ یعنی خلیفہ کی شکل میں یہ چیزیں ہونی چاہئیں، خلیفہ کی یہ شرائط ہیں اس کو ہم نے ادارتی انداز میں پیش نہیں کیا جیسے کہ ماوردی کی کتاب میں بحث ہے کہ اگر خلیفہ کی ذات، اقتدار یا خلافت کے اصول کا مرکز ہے تو پھر جو آگے عہدے ہیں ان کی حیثیت کیا ہے؟ انہوں نے پہلی مرتبہ کہا کہ ان کے نائبین کی حیثیت اپنی نہیں بلکہ خلیفہ کی دی ہوئی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہم اس کو شخصی سے بدل کر ادارتی میں لے آئیں۔ اگر چہ یہ چیز دنیا کی سیاسیات میں اٹھارویں صدی سے ہی آچکی ہے۔ ہماری جو فکر انیسویں صدی سے آئی ہے اس میں بھی ادارتی شکل ہے لیکن ابھی تک روایتی فقہ اس طرح بات کرتی ہے کہ خلیفہ کی شرائط کیا ہیں؟ تیسرا نقطہ جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہماری فکر میں دو ابہام ہیں جو واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ ایک تو اللہ کی حاکمیت سے مراد اللہ کی حکومت یا تھیوکریسی نہیں اور نہ ہی خلیفہ اللہ کا نمائندہ ہے لیکن اس کی وضاحت ہونی چاہئے۔ کیونکہ خلیفہ کا انتخاب اللہ نے نہیں کیا ہوتا بلکہ یہ عوام کا انتخاب ہے۔ چاہے اس کا طریقہ جو بھی ہو۔ ہمارے آئین میں یہ مسئلہ حل کر لیا گیا ہے مگر ہماری فکر میں ابھی تک ہے کہ خلیفہ اللہ کا نمائندہ ہے یا عوام کا نمائندہ۔ عوام کے نمائندے کے بارے میں خاص طور پر جمہوریت کی بحث میں ہم عام طور پر اس کو رد کرتے ہیں کہ حاکمیت صرف اللہ کی ہے۔ یہ ایک ابہام ہے میں اس کی تفصیل میں نہیں جاؤں گا مگر ان بحثوں کو صحیح کرنے کی ضرورت ہے۔ اصل میں اللہ کی نمائندگی کا مطلب یہ ہے کی شریعت ہمارا نقطہ ہوگا جس پر سب کا اجماع ہوگا اور شریعت کی برتری یا آج کے مطابق قانون کی حکمرانی۔ اللہ کی حکمرانی شریعت کے ذریعے ہوتی ہے جو قانون کی حکمرانی کا اصول ہے۔ قانون کی حکمرانی کے دو مطلب ہیں ایک تو یہ کہ وہ شخصیت کا اتباع نہیں ہے بلکہ وہ قانون کا اتباع ہے اور اس کے لئے صرف انفرادی رائے یا فتویٰ نہیں بلکہ اس کے لئے اجماع کی ضرورت ہے۔ وہ اجماع صرف علماء کا یا فقہا کا اجماع نہیں بلکہ اب جو صورت حال ہے اس میں بہت سے دوسرے لوگ بھی شامل ہیں جو اپنے اپنے شعبے کے ماہر ہیں وہ بھی اس میں شامل ہوں گے اور لازمی طور پر اس میں عوام کی نمائندگی بھی ہوگی۔ آخر میں یہ عرض کروں گا کہ ابھی ہم ان بحثوں میں ہیں اور دنیا کی تھیوری بہت خطرناک صورت اختیار کرتی جا رہی ہے۔ اس میں پہلے قومی ریاستوں کا نظریہ تھا ہم ابھی اس بحث میں تھے، پھر دنیا میں دو بڑی طاقتیں بنیں۔ انہوں نے دنیا میں جتنی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

بھی قومی ریاستیں تھیں ان کو ختم کیا اب دنیا میں ایک پاور ہے۔ اس وقت امریکہ اور مغرب میں بحث چل رہی کہ ریاست کو کسی قانون کا پابند نہیں ہونا چاہئے بلکہ اس کی اپنی ایک طاقت ہونی چاہئے۔ یہ تھیوری State of Exception کے نام سے چل رہی ہے۔ ہمیں یہ بحثیں بھی دیکھنا ہوں گی کہ جو ریاستیں ہم سے آگے چل رہی ہیں وہ کیا کر رہی ہیں۔ بجائے اس کے کہ کل ہم یہ سوچیں آج ہی توجہ کر لیں۔ بحث اصل میں یہ ہے کہ پہلے مغرب نے قانون کو اخلاق سے علیحدہ کیا اور اب ریاست کو بھی قانون سے علیحدہ کیا جا رہا ہے اس کے خلاف مذہب کے نمائندگان اور سوچ رکھنے والے ساری دنیا میں اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اب وہ کہتے ہیں کہ Global Ethics کے نام سے یا وہ اخلاقی اقدار جن کو دنیا مانتی ہے ان کی طرف آیا جائے۔ قانون کو اخلاق سے علیحدہ کر کے رکھنے سے ایک طرف تو اس کی بنیادیں کمزور ہوتی ہیں اور دوسرا قانون کا غلط استعمال بہت ہوتا ہے یہ چار نکات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

پروفیسر راجہ اسلم خان

تحریکِ حق پاکستان

پاکستان کا موجودہ آئین سیکولر لوگوں نے بنایا دینی لوگوں نے نہیں۔ ہندوستان کا آئینی ارتقاء اس بات کے گرد گھومتا ہے کہ اصل حکمران انگریزوں ہوں گے اور ان کے کاسہ لیس برائے نام نمائندے ہوں گے۔ اس دوعملی کا مظاہرہ 1935 کے آل انڈیا ایکٹ میں بھی ہے یہی 1956 کے آئین اور 1973 کے آئین میں نظر آتا ہے کی اصل حکمران کوئی اور باقی اس کے چمچے ہیں۔ 1973 کے آئین میں علماء کی کونسل بنائی گئی جسے بعد میں اسلامی نظریاتی کونسل کا نام دیا گیا یعنی اسلام کو مشاورت کی حیثیت دی گئی اس پر بھی کبھی عمل نہیں ہوا۔ کیونکہ قانون 1861ء کا چل رہا ہے 1861 کا پینل کوڈ جسے تعزیرات پاکستان کہا جاتا ہے وہ آج بھی رائج ہے۔ سیاسی نظام لارڈ کلائیو کا دیا ہوا ہے جو خود ایک مجرم تھا۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں کہ قانون، امراء کے لئے اور ہے اور غریب کے لئے اور۔ میری اپنی سوچ ہے کہ جس معاشرے میں قانون کی حکمرانی نہ ہو اس کے بڑے مجرم جیلوں میں جانے کی بجائے اقتدار کے ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ اسلام کہتا ہے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کہ جب تک پاکستان میں رول آف لا نہیں ہوگا جمہوریت پنپنے نہیں پائے گی۔ دنیا میں جتنے بھی نظام ہیں انھوں نے ساری اچھی چیزیں اسلام سے لی ہوئی ہیں مگر مغرب نہیں کہتا ہے کہ اسلام کا نام نہ لو۔ پاکستان دنیا کا واحد ملک ہے جسے وحدانی طرز پر چلایا جا رہا ہے۔ اکائیوں کی حیثیت نظر انداز کر دی گئی ہے ہمیں احتساب کا نظام قائم کرنا پڑے گا۔ سود غیر شرعی ہے مگر آج تک لیا جا رہا ہے۔

علامہ ممتاز نظامی

پرنسپل جامعہ محمدیہ غوثیہ چک شہزاد اسلام آباد

انسان اپنے لیے روز اول سے لے کر اب تک تمام نظام ہائے حیات کا تجربہ کرتا چلا آ رہا ہے۔ مابعد دور کے مفکرین تجربہ شدہ نظاموں کے مضمرات اور تقابلی جائزوں سے ہمارے ذوق کی تسکین کے لوازمات فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ روز قیامت تک جاری رہے گا۔ انسانی فطرت کے عین مطابق اللہ کریم نے اپنے دین کو افرادی اور اجتماعی دونوں جہتوں سے مزین فرمایا ہے۔ انفرادی سطح پر اہم چیز ایمان ہے اور اجتماعی سطح پر اہل ایمان کے مجموعے کو وحدت کہا جاتا ہے۔ چونکہ اسلام اجتماعیت کا علم بردار ہے۔ اس لیے اس نے انسانی زندگی کو آسانیاں فراہم کرنے والے تمام نظام ہائے حیات مثلاً خاندان، ریاست معاشرہ سب کی بنیاد اجتماعیت پر رکھی۔ اور ان ساری چیزوں کا جوہر فلاح انسانی میں رکھ دیا ہے۔ اس قاعدے اور کلیے کے مطابق ہر وہ نظام جس سے انسانیت کی فلاح کا پہلو ابھرتا ہو اور وہ اسلام اور شریعت کے دائرے کے اندر ہو وہ مقصود اصلی ہے۔ اس کو جمہوریت، خلافت یا شوریٰ کوئی بھی نام دیا جا سکتا ہے۔ علمی، معاشی، طبی اور قانونی میدانوں کے ساتھ ساتھ ہمیں سب سے بڑا چیلنج سیاسی میدان میں بھی درپیش ہے۔ موجودہ سیاسی نظام جو جمہوریت یا کسی اور نام سے چل رہے ہیں ان میں کون سا نظام اسلام کے قریب تر ہے۔ اس کا آسان اور سادہ جواب یہ ہے وہ نظام جو انسانی فلاح کا ضامن ہو۔ میں اس ضمن میں حضرت مولانا مفتی منیب الرحمٰن کی رائے سے اتفاق رکھتا ہوں کہ ''فی زمانہ جمہوریت ہی وہ نظام ہے'' سارا معاملہ عملی نفاذ کا ہے۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہم اپنا نظامِ عمل کھو چکے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

چاہے وہ انفرادی ہو یا خاندانی، ریاستی ہو یا دستوری، سیاسی ہو یا معاشی کسی بھی سمت یکسوئی نہیں رہی۔ آئین اور جمہوریت سمیت تمام دستاویزات زندگی ''کتابی'' شکل میں محفوظ اور دائمی حیثیت حاصل کر چکی ہیں۔ ہر شق اپنی ضمنی شقوں سمیت واضح اور روشن ہے۔ فقط کمی عمل کی ہے۔ کسی بھی نظام اور عمل کا رشتہ روح کی مانند ہوتا ہے۔ اگر جسم میں روح ہی نہ ہو تو چاہے بظاہر جسم کتنا ہی توانا ہو پر کشش اور حسین کیوں نہ ہو ایک خاص مدت کے بعد اسے دفن کرنا پڑے گا۔ ورنہ اس کی بدبو سے معاشرے میں تعفن پھیل جائے گا۔ اسلام کے ابتدائی دور، خاص کر خلافت راشدہ میں عمل کی قوت بہت زیادہ تھی یہی وجہ ہے کہ اس نظام کو عرب وعجم میں فلاحی نظام کے طور پر قبول کر لیا گیا۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ نظام عمل میں کجی آتی گئی اور اس نظام کے متبادل نظاموں کی ضرورت محسوس ہونے لگی۔ حالانکہ بادشاہت اور شہنشاہیت کے باوجود حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور میں سیاسی نظام کے ایک ستون ''عدل'' کا عملی نفاذ ہوا۔ اور ان کا دور ایک درخشاں ستارے کی مانند چمک پڑا۔ ہمارا یہ بھی المیہ رہا ہے کہ ہم اصل بیماری کے علاج کی بجائے معاشرے پر دیسی، یونانی، ہومیو پیتھک اور انگریزی نسخے آزمانے میں مصروف ہیں۔ جب کہ اسلام نے اس کا آسان حل ''عمل'' اور ''فلاح'' میں رکھ دیا ہے۔ احباب ذی وقار! سوال فقط یہ ہے ان ساری چیزیں کے نفاذ کا طریقہ کار کیا ہے۔ انہیں عملی شکل کیسے دی جائے۔ حالانکہ قرآن کریم، سیرت طیبہ ﷺ، خلافت راشدہ، اور 1400 سالوں کی حسین روایات، ہمارے دامن میں کیا کچھ نہیں ہے۔ اوراقِ گم شدہ کھولنے کی ضرورت ہے۔ اندلس کی شکست سے پہلے بصیرتوں کے سارے سوتے ہمارے ہاں سے پھوٹتے تھے۔

ڈاکٹر رشید احمد
اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سنٹر پشاور یونیورسٹی

اسلام کا سیاسی نظام اگر چہ ایک نئی اصطلاح ضرور ہے مگر ہمارے قدیم ادب اور قرآن کریم میں اشاروں اور عبارت النّاس کے ذریعے یہ مضمون خلافت کے نام سے موجود ہے۔ اصول تو یہاں موجود ہیں مگر شاید سیاسی فریم ورک

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس طرح نہ ہو جس طرح کے نماز روزہ کی عبادات کے حوالے سے ہے۔ایک بحث کو ہمارے قدیم علماء نے آگے بڑھایا ہے مثلاً امام ابو یوسف، امام ابو عبیدہ القاسم یا پھر ماضی قریب میں شاہ ولی اللہؒ سب نے اس تصور پر بات کی ہے۔اسلامی

ریاست کے تصور پر تو شاید اختلاف موجود نہ ہو کہ اس کے لوازمات کیا ہوں گے۔البتہ اس کے قیام پر اختلاف ضرور موجود ہے یہ اختلاف شاید خلافت کے ادارے کے قیام سے پہلے نہیں تھا جب یہ ادارہ ختم ہوا تو یہ رونما ہوا، اب ہمارے سامنے دو تین نقطۂ نظر ہیں۔اگر وہ ہمارے سامنے موجود ہوں گے تو شاید ہم اس بحث کو اچھی طرح سمجھیں گے مثلاً ہندوستان میں مولانا وحید الدین خان سرے سے اسلامی ریاست کو مانتے ہی نہیں۔ان کا خیال ہے کہ اس کی کوئی ضرورت ہی نہیں ہے۔دوسری طرف مولانا مودودی ہیں جنھوں نے اسلامی ریاست کے قیام کے لئے زور لگایا۔اس کے بعد ہم دیکھتے ہیں کہ حزب التحریر اور القاعدہ جیسی تنظیمیں موجود ہیں جو خلافت کے قیام کے لئے باقاعدہ کوشش کر رہی ہیں اور خاص کر حزب التحریر ہے۔ابھی چند ماہ قبل میں قازقستان گیا تھا وہاں ہمیں بتایا گیا کہ سنٹرل ایشیاء اور خاص کر ترکمانستان میں حزب التحریر کے ممبران بڑی تیزی کے ساتھ بڑھ رہے ہیں۔اس کا مطلب ہے کہ تصور موجود ہے لیکن اسلامی ریاست کے قیام کے حوالے سے مختلف نقطہ ہائے نظر ہیں جن کی طرف ہمیں توجہ دینی ہوگی کہ قرآن اور حدیث کی نصوص اس حوالے سے کیا ہیں۔دوسری بات یہ کہ نسب امامت پر بھی مسلمانوں کا اختلاف کہیں پر نہیں البتہ سنیوں اور شیعوں میں یہ اختلاف موجودہ ہے۔اہل تشیع اس امامت کو منصوص مانتے ہیں اور آج بھی ایران کے روحانی رہنما خامنائی امام غائب کی نیابت کرتے ہیں۔وہاں امام ولایت فقیہ کے حوالے سے جو تصور ہے، وہ خلافت کا ہی متبادل ہے۔اس پر بھی بحث کرنے کی گنجائش ہے۔اس کے بعد اگر ہم عصر حاضر میں آجائیں تو کیا جمہوریت، خلافت کی متبادل ہو سکتی ہے یا نہیں۔کیا جمہوریت اور خلافت کے لوازمات ایک ہیں یا پھر مختلف ہیں اس کے لئے ہمیں جمہوریت کی ابتدا کی طرف جانا ہوگا عام طور پر کہا جاتا ہے کہ جمہوریت یونان سے یا فرنچ انقلاب سے شروع ہوئی لیکن اگر ہم خود اسلامی تاریخ کو دیکھیں اور چاروں خلفائے راشدین کے طریقہ انتخاب پر غور کریں وہاں جمہوریت کی روح کارفرما نظر آتی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہے۔آئین پاکستان کے حوالے سے میں یہ کہوں گا کہ پاکستان کے آئین کے آرٹیکل نمبر ایک میں لفظ جمہوریہ استعمال ہوا ہے کہ مملکت کا نام اسلامی جمہوریہ پاکستان ہوگا اس طرح آرٹیکل نمبر دو میں کہ اسلام، ریاست کا مذہب ہوگا۔اب ڈاکٹر منیر صاحب نے بڑی اچھی بات کی ہے کہ کیا ہم ریاست کو انسان مان سکتے ہیں یا نہیں کہ ریاست مسلمان کس طرح ہوگی۔اس طرح آرٹیکل ٹو میں کہا گیا کی حاکمیت اللہ تعالیٰ کے لئے مختص کی گئی ہے۔اس طرح آرٹیکل ٹو ایف میں اسلام کے جمہوریت، حریت اور عدل ومساوات کے اصولوں کا اتباع کیا گیا ہے اس کا مطلب ہے کہ آئین پاکستان جمہوریت کا دعوے دار ہے اس کے خلاف نہیں ہے۔آج کی جمہوریت کے لوازمات میں ریاست ہے، حکومت ہے پارلیمنٹ ہے ووٹر کی شرعی حیثیت ہے۔ ہمارے آئین میں 62 اور 63 کی شقیں ہیں ان کی حیثیت پر بحث کرنے کی ضرورت ہے۔

مفتی محمد خطیب مصطفائی

مہتمم مدرسہ فاطمہ الزہرہ اسلام آباد

اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔اسلام محض رسم ورواج، روایت اور روحانی تصورات کا مجموعہ نہیں ہے۔ بلکہ اسلام انسان کی زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل رہنمائی کرتا ہے۔جس کے مطابق وہ اپنی روزمرہ زندگی اپنے افعال، اعمال حتیٰ کہ سیاست، معاشیات اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی اسلام سے رہنمائی حاصل کرسکتا ہے۔اسلام سب کے لیے انصاف، شرافت، دیانت اور عزت کے اعلیٰ اصولوں پر مبنی ہے۔توحید ربانی اور مساوات انسانی اسلام کے بنیادی اصول ہیں۔ اسلام میں سب انسان برابر ہیں۔مساوات، آزادی اور اخوات اسلام کے اساسی اصول ہیں۔

اسلام سے قبل ہر طرف ملوکیت اور شخصی آمریت کا بول بالا تھا۔بادشاہ اور آمر اپنی ساری رعایا اور سارے ملک کے لیے قانون بنانے کے مجاز تھے۔لیکن جن کے لیے قانون بنایا جارہا تھا ان کی پسند، فائدے، نقصان اور ضروریات کا قطعاً خیال نہیں کیا جاتا تھا۔مطلق العنان حکمران کی جو مرضی میں آتا وہی ملک کا قانون قرار پاتا تھا خواہ اس کی وجہ سے عوام کا کتنا ہی استحصال کرنا پڑے۔اسلام نے جہاں زندگی کے ہر شعبہ میں قابل قدر، دوررس اور انقلابی نوعیت کی تبدیلیاں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیں وہاں سیاسی زندگی کو بھی نئے اصولوں سے آشنا کر دیا۔ اس نے جو سیاسی نظام دیا وہ شورائی نظام ہے۔ جس کا تعلق عوام سے ہے۔ اس نظام میں لوگوں سے ضرور مشورہ لیا جاتا ہے جس سے نہ صرف یہ کہ رعایا کہ دل جوئی ہوتی ہے بلکہ انہیں اپنی اہمیت کا احساس بھی ہوتا ہے۔ اور استبدادی طریقہ کار سے جو مجبوری اور محرومی کی گھٹن قلب و روح کو ڈس رہی ہوتی ہے اس سے نجات مل جاتی ہے۔ نیز قومی سطح پر کسی اہم معاملہ کے متعلق فرد واحد کا فیصلہ نافذ کرنا بہت بڑی زیادتی ہے ہوسکتا ہے وہ اپنے محدود علم، ناقص تجربہ یا اپنی ذاتی منفعت کے باعث کوئی غلط فیصلہ کر دے جس کا نقصان ساری قوم کو برداشت کرنا پڑے اور پھر اس کی تلافی ممکن نہ ہو سکے۔ اس لیے مشورہ کا حکم دیا کہ ہر ایک اپنی اپنی قابلیت، تجربہ اور معاملہ فہمی کی صلاحیتوں کے مطابق مشورہ دے۔ اس کا ہی حکم اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں دیا چنانچہ ارشاد فرمایا وامرھم شوریٰ بینھم۔ یعنی ان کے سارے کام باہمی مشورے سے طے ہوتے ہیں۔

مسلمانوں کا یہ دستور تھا کہ جب بھی کوئی مشکل یا پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تو سب اکٹھے ہو جاتے اس کے ہر پہلو پر گفتگو کرتے اور آخر کار ایک نتیجے پر پہنچ جاتے۔ خود نبی کریم علیہ السلام کا بھی یہی معمول تھا کہ جب بھی کوئی اہم معاملہ ہوتا تو صحابہ کرامؓ کو بلا کر مجلس مشاورت منعقد فرماتے اور بحث کے بعد فیصلہ فرماتے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں جلیل القدر صحابہ کرامؓ پر مشتمل ایک مجلس شوریٰ مقرر کی ہوئی تھی جس میں ہر اہم معاملہ کا فیصلہ فرماتے۔ موجودہ دور میں جمہوری نظام حکومت میں چونکہ مشاورت کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اور اس میں اکثر فیصلے باہم مشورے سے ہوتے ہیں اور مشورے سے حکومتی نظام کو چلانا جمہوریت کی اصل روح ہے۔ اس لئے جمہوری نظام حکومت اسلام کے شورائی نظام حکومت سے زیادہ قریب ہے۔

جمہوری نظام میں اگر کوئی خامی ہے تو وہ یہ کہ یہاں منتخب نمائندوں کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے قانون سازی کریں اور مطلقاً قانون سازی کا اختیار عوامی نمائندوں کے پاس ہوتا ہے۔ لیکن آئین پاکستان میں عوامی نمائندوں کو اس بات کا پابند کر لیا گیا ہے کہ وہ جو بھی قانون سازی کریں گے وہ قرآن وسنت کے مطابق ہوگی اور کوئی قانون بھی قرآن وسنت کے خلاف نہیں بن سکتا۔ اس طرح پاکستان کے آئین میں اس خامی کو بھی دور کر لیا گیا ہے۔ آئین پاکستان میں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کے لئے مانی گئی ہے۔قوانین کو قرآن کو سنت کے مطابق بنانے کا کہا گیا ہے۔اس طرح اس آئین کو اگر من وعن اس کی روح کے مطابق نافذ کیا جائے تو یہ ایک اسلامی آئین ہے۔

علامہ عبدالقدس محمدی

ترجمان وفاق المدارس العربیہ اسلام آباد

آئین کے بارے میں ایک مثال دوں گا کہ آپ حضرات نے سنا ہوگا کہ جب ہاتھی کا بچہ چھوٹا ہوتا ہے تو اس کے پاؤں میں زنجیر ڈال دی جاتی ہے اس وقت اس کے پاؤں میں اتنی طاقت نہیں ہوتی، وہ ان زنجیروں کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے لیکن جب وہ ناکام ہو جاتا ہے تو اس کے ذہن اور دل و دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ یہ زنجیر مجھ سے ٹوٹ نہیں سکتی لہٰذا جب وہ بڑا ہو جاتا ہے اور اس میں طاقت آتی ہے اور وہ زنجیر کو توڑ سکتا ہے۔اس کے باوجود وہ قناعت کر کے کھڑا رہتا ہے کہ میں نے اس حالت میں رہنا ہے۔ ہمارے پاکستان کے آئین کا معاملہ بھی یہی ہے۔البتہ مجموعی طور پر آئین پاکستان علماء کی نگرانی میں تیار ہوا۔قرارداد مقاصد اس کا دیباچہ ضرور بنی تاہم جیسا ہمارے ہاں عموماً ہوتا ہے کہ قانونی پیچیدگیوں میں بہت سارے ایسے چور دروازے چھوڑ دیئے جاتے ہیں کہ جن کی وجہ سے کبھی بھی حالات بہتری کی طرف نہیں جاتے وہی صورتحال ہمارے آئین کے ساتھ بھی ہوئی لیکن اس پر بہت زیادہ بات چیت نہیں ہوئی کیونکہ اکثر حضرات نے حکمت کا تقاضا گردانا۔کیونکہ سیکولر طبقہ پاکستان کا چہرہ مسخ کرنا چاہتا ہے یا اس کو اپنے مقاصد سے ہٹانا چاہتا ہے۔علماء کو یہ بات بتانی ہوگی کہ آیا دیباچہ متن کی حیثیت رکھتا ہے یا نہیں رکھتا۔ ہمارا تصور واضح ہونا چاہئے۔ بلاشبہ قرارداد مقاصد ہمارے آئین کی بنیاد ہے مگر کیا اس بنیاد کو وہ مقام اور حیثیت حاصل ہے یا نہیں۔ہمیں بار بار پڑھایا جاتا ہے کہ پاکستان میں اسلام کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہو سکتی۔ پہلے قرآن وسنت کا لفظ تھا اس میں وضاحت تھی پھر اس کے بعد اس میں اسلام کا لفظ لایا گیا آپ حضرات جانتے ہیں کہ پرویز مشرف کے دور کا اسلام اور ہوتا ہے اور ضیاء الحق کے دور کا اسلام اور ہوتا ہے۔ذاتی نقطۂ نظر کے حوالے سے اس میں آمیزش بھی ہو

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے۔ پھر یہ کہا جاتا ہے کہ اسلام کے خلاف کسی قسم کی قانون سازی نہیں ہوگی لیکن سوال یہ ہے کہ پہلے جو خلافِ اسلام قوانین موجود ہیں ان کی تطہیر یا صفائی کا کیا بندوبست ہے۔ اس حوالے سے نہ بات ہوتی ہے نہ اسے زیر بحث لایا جاتا ہے جس کی وجہ سے قانون کے اندر جہاں جہاں تطہیر کی ضرورت تھی وہ نہیں ہو سکی اور جو کوششیں ہوئیں وہ بھی سیاست کی نذر ہو گئیں۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل کی ممبر شپ کے اصول کا طریقہ کار کیا ہے اس کا معیار کیا ہے آپ سب حضرات کو علم ہے کہ اس کی ممبر شپ کو ریوڑیوں کی طرح بانٹا جاتا ہے۔ پچھلے کچھ عرصہ میں بہت ساری چیزیں ایسی بھی ہوئیں مثلاً ختم نبوت کا معاملہ ہے قادیانیت کے حوالے سے 1974 کا پارلیمنٹ کا فیصلہ ہے جو کہ ہماری تاریخ کا تابناک باب ہے۔ اسی طرح لفظ ناموس رسالت کے حوالے سے 295-c کا معاملہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب اس دور کے جید علماء کی جد جہد کا نتیجہ ہے لیکن بعد میں حقوقِ نسواں بل کے عنوان کے تحت ہمارے ساتھ جو ہوا، وقتاً فوقتاً شوگر کوٹڈ گولیاں ہمارے آئین کو دی گئیں۔ ہمارا دائرہ مسجد و مدرسہ تک ہی ہے آئینی موشگافیوں کے میدان کو جب ہم نے دوسروں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا تو بہت سارے ایسے چور دروازے بنائے گئے جن کے نتیجے میں قیام پاکستان کے مقاصد حاصل نہیں ہو سکے۔ اس ساری صورتحال کا ادراک کرنا ہوگا، ہم نے کہاں کہاں کیا کرنا ہے اس کا تعین کرنا ہوگا تاکہ ہم اس کشتی کو ساحل بہ کنار کر سکیں۔

ڈاکٹر منیر احمد

خطیب مکی مسجد آغا خان روڈ، ایف، سکس اسلام آباد۔

جہاں تک جمہوریت اور خلافت کا معاملہ ہے میں ڈاکٹر حمید اللہؒ کا حوالہ دینا چاہتا ہوں ان سے خطباتِ بہاولپور میں ایک سوال کیا گیا کہ اسلام کا نظام جمہوریت کا ہے یا خلافت کا، اس کے جواب میں انہوں نے فرمایا کہ اسلام کا نظام جمہوریت کا بھی ہے اور خلافت کا بھی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریمؐ کی بعثت کے زمانے میں بھی ایک طرح کی جمہوریت قائم تھی۔ مثال انہوں نے دی کہ حضرت عمرؓ کے والد گرامی کو خارجی امور دیئے گئے تھے اور دوسرے سرداروں کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اپنے اپنے کام تھے۔ مثلاً کئی علماء نے لکھا کہ اس زمانے میں لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے کا فیصلہ بھی جمہوری تھا۔ یعنی جب دو قبیلوں کی لڑائی ہوتی اور ایک سردار کی بیٹی کو جنگی قیدی بنا کر مردوں کے ساتھ لے جایا گیا تو مخالف قبیلے کے سردار کے بیٹے نے اس کے ساتھ نکاح کر لیا اس کے بعد جب مصالحت ہوئی اور جنگی قیدیوں کو واپس کیا جا رہا تھا تو اس کے شوہر نے اسے اختیار دیا کہ تم چاہو تو واپس جاؤ اور چاہو تو میرے ساتھ ہی رہنا پسند کرو۔ سردار کی بیٹی نے پسند کیا کہ میں اپنے والد کے ساتھ ہی رہوں گی۔ اس پر قبیلوں کے سردار نے فیصلہ کیا کہ یہ بیٹیاں ہماری عزت پر داغ بنی ہوئی ہیں تو کیوں نہ یہ روایت ڈال دی جائے کہ انہیں پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کر دیا جائے تاکہ ہمارے لئے داغ نہ بنیں۔ اسی بنیاد پر لڑکیوں کا قتل شروع ہوا جو نبی کریمؐ کی بعثت کے بعد ختم ہوا۔ جب نبی کریمؐ نے خطبۂ حجۃ الوداع فرمایا تو آپؐ نے کہا کہ جاہلیت کی تمام رسمیں میرے پاؤں کے نیچے ہیں۔ اب یہاں پر تمام ان باتوں کو ختم کر دیا گیا جنہیں اس وقت کی جمہوریت نے قبول کیا تھا۔ رسول اکرمؐ نے وہاں کی جمہوریت کو ختم کر کے وحی الٰہی کو نافذ فرمایا۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ جو جمہوریت وحی الٰہی کے تابع ہو تو ایسی جمہوریت کے اسلام خلاف نہیں ہے۔

جب جمہوریت وحی الٰہی سے آگے نکل جائے تو پھر اسلام مخالفت کرتا ہے ہمارے ہاں جو آئین موجود ہے اگر اس میں یہ کہا گیا ہے کہ اس میں قرآن وسنت کے خلاف کوئی چیز نہیں ہوگی۔ مگر اس کے باوجود اس میں کئی چیزیں خلاف اسلام ہیں۔ مثلاً ہمارا معاشی نظام پورے کا پورا قرآن وسنت کے خلاف ہے اور وہ چل رہا ہے۔ یہ معاملہ بارہا عدالتوں میں گیا مگر عملاً کچھ نہیں ہوا۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم پورے آئین کی نفی کر دیں۔ پچھلے دور میں جب طالبان سے بات ہو رہی تھی تو ان کی جانب سے کہا گیا کہ قرآن وحدیث کی موجودگی میں آئین کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اب بنیادی سوال یہ ہے کہ اصول تو قرآن و حدیث کے ہوں گے لیکن اس کی تشریحات دور حاضر کے تناظر میں ہوں گی اور آئین اس کی وضاحت کرے گا۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے مثال کے طور پر دیکھیں کہ ہمارے ہاں ٹریفک کے قوانین ہیں، خارجہ امور ہیں جنہیں ہر دور میں نئے سرے سے مرتب کیا جاتا ہے۔ اس کے اندر ترمیم کی گنجائش ہوتی ہے جب کہ قرآن و حدیث میں ترمیم کا کوئی نہیں کہہ سکتا اور نہ ہی گنجائش ہوتی ہے۔ قرآن وحدیث میں اس بات کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اختیار دیا گیا ہے کہ وہ معاملات جن میں اجماع اور قیاس کا دخل ہے اس کے اندر تبدیلی لائی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ قرآن وحدیث سے متصادم نہ ہوں۔ ہمارے ہاں جو اسمبلی موجود ہے ان کے ممبران کے لئے وہ تمام شرائط ہیں جو کہ ایک عادل حکمران کے لئے ہیں۔ اب اگر عملی طور پر ایسا نہیں ہو رہا تو اس پر بات نہیں کی جا سکتی۔ اس لئے یہ بات کی جائے کہ ہمارے آئین پر عمل درآمد کیوں نہیں ہوتا۔ یورپ میں اگر ہم جنس پرستی کا قانون آتا ہے تو ہمیں اعتراض نہیں ہونا چاہئے کیوں کہ وہ قرآن وسنت کے تابع نہیں ہیں۔ انہوں نے یہ طے کر لیا ہے کہ جو لوگ کثرت رائے سے فیصلہ کریں گے وہ قابل قبول ہوگا۔ مگر ہمارے ہاں یہ ہے کہ کثرت رائے اگر ایک طرف ہو اور قرآن و سنت دوسری طرف تو کثرت رائے کو اہمیت نہیں دی جائے گی۔ جمہوریت خلاف اسلام نہیں ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ جب خلیفہ بنے تو وہ خلیفہ بننے سے پہلے لوگوں کے پاس آئے اور آ کر انہوں نے اعتماد کا ووٹ حاصل کیا۔ اکثریتی رائے نے انہیں خلیفہ بنایا۔ اسی طرح حضرت عمرؓ کو خلیفہ نامزد کر دیا گیا تو وہ مسجد میں آئے اور تمام لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ مجھے خلیفہ بنا دیا گیا ہے اگر میں غلط کروں تو مجھے روکیں۔ یہیں معاملہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ہے جب سلیمان بن عبدالملک کے حوالے سے انہیں خلیفہ بنایا گیا تو وہ سب سے پہلے مسجد میں تشریف لائے اور خطاب فرمایا کہ مجھے خلافت کی ذمہ داری میں مبتلا کر دیا گیا ہے اور اگر آپ چاہیں تو میرے خلیفہ بننے کی توثیق کریں اور اگر آپ چاہیں تو کسی اور کو خلیفہ بنا دیا جائے، یہ سب تاریخ کا حصہ ہے۔

حسن فاروق

پی ایچ ڈی سکالر شیخ زید اسلامک سینٹر پشاور یونیورسٹی

ہم نازک حالات سے گزر رہے ہیں اس لئے ماضی کو، کوسنا وقت کی ضرورت نہیں ہمیں قابل عمل حل ڈھونڈنا ہوگا۔ مختلف نظام ہائے حکومت دنیا میں آئے، کچھ مشہور ہوئے کچھ ختم ہو گئے۔ اسلام اس دور کی ہر مشکل کو حل کرنے کی استطاعت رکھتا ہے مگر کئی چیزیں اسلام میں بھی حل طلب ہیں اس کے سوالات ہمیں اسلام سے بھی چاہیں جس طرح حکومت کے انتخاب کا معاملہ ہے تاریخ میں ہمیں کوئی مستقل نظام نہیں ملتا۔ ہمارے ہاں خلیفہ اور شوریٰ کے اراکین کی بات تو کی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاتی ہے۔ لیکن سوال بڑا مبہم رہتا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب کون کرے گا اور شوریٰ کے اراکین کا انتخاب کون کرے گا۔ جمہوریت کی بات محبوب موضوع ہے جب ہم کسی نظام کا دوسرے سے تقابل کرتے ہیں تو ہمیں اس نظام کے بارے میں جاننا چاہئے۔ اس کو پڑھنا چاہئے اگر ہم جمہوریت کو مغرب کے تناظر میں دیکھیں تو شاید اسلام میں اس کی گنجائش نہ ملے لیکن اوصاف کے لحاظ سے دیکھا جائے تو اسلام ہمیں اس سے زیادہ جمہوری لگتا ہے۔ کسی بھی نظام کو چلانے کے لئے دستور کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت جو نظام ہمارے ملک میں ہے اس کو نہ جمہوری کہا جا سکتا ہے نہ ہی اسلامی، کہیں کہیں پر بہت مبہم چیزیں ہیں اگر آج ہم ایک قانون پارلیمنٹ میں پیش کریں جو کہ شرعی تقاضوں کے عین مطابق ہو مگر اس کے

لئے بھی ہمیں اکثریت کی حمایت درکار ہوگی۔ کیا جو چیزیں پہلے سے اسلامی اور شرعی ہوں ان کے لئے یہ پیمانہ صحیح ہے۔ ہمارے ہاں اقتدار اعلیٰ کا تصور اللہ جلہ شانہ کے پاس ہے۔ مغرب میں یہ عوام کے پاس ہے اسلام میں شخصی آزادی لامحدود نہیں جب کہ مغرب میں یہ غیر محدود ہے۔ جمہوریت کا کوئی مستقل مزاج نہیں ہے جب کہ اسلام مستقل مزاجی پر زور دیتا ہے۔ نظام کی بات کریں تو اسلام کا نظام خلافت اور نیابت کا ہے مگر اس کا مزاج جمہوری ہے۔ آئین پاکستان، کیا یہ اسلامی ہے یا غیر اسلامی، بڑی دلچسپ بحث ہے قرار داد مقاصد ایک طرف آئین کا دیباچہ ہے، اب سپریم کورٹ آف پاکستان کا کوئی جج اسے آئین کا حصہ مانتا ہے کوئی نہیں مانتا کہیں فیصلے اس کے مطابق آجاتے ہیں کہیں خلاف آجاتے ہیں۔ انتخابات کا جو جمہوری طریقہ ہے اس میں پانچ علمائے دین ایک طرف لیکن دس جاہل اپنے ووٹ کی بناء پر فیصلہ اپنی مرضی کا فیصلہ کروالیں گے۔ اگر جمہوریت کے تحت پورے ہندوستان سے رائے لی جاتی تو شائد پاکستان کبھی نہ بنتا۔ اکثریت ایک الگ مسئلہ ہے، پاکستان کے آئین میں اسلامی اقدار کا تحفظ نہیں کیا گیا بلکہ صرف وعدے کئے گئے ہیں۔ سود کو جلد سے جلد ختم کرنے کا وعدہ تھا مگر آج تک نہیں ہوا۔ اسی طرح اسلام میں قاضی کے لئے اس کا عادل ہونا شرط ہے۔ مگر دستور میں اس کے لئے صرف پاکستانی ہونے کی شرط ہے۔ اسی طرح بعض شرعی سزائیں ایسی ہیں جن کا پاکستان کے قانون میں وجود نہیں ہے۔ اس لئے ہمیں جمہوریت کو اپنے نظام اور اقدار کے تحت اختیار کرنا چاہئے جیسا کہ سب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ممالک نے کیا، جمہوریت اسلام سے بہت زیادہ مطابقت رکھتی ہے لیکن اس کے اوصاف میں، انتظام میں نہیں۔ پارلیمنٹ میں علماء کی تعداد دس فیصد بھی نہیں جب کہ قانون سازی کے لئے دو تہائی اکثریت درکار ہوتی ہے۔

جمہوریت میں اکثریت کی نہیں بلکہ اقلیت کی حکومت ہوتی ہے ایک حلقے میں پانچ بندے لڑ رہے ہوتے ہیں 12 ہزار والا جیت جاتا ہے۔ 30 ہزار ووٹ لینے والے چار لوگ ہار جاتے ہیں۔ اس لئے میرا خیال ہے کہ جمہوریت کا جائزہ لیں اور تضادات ختم کریں۔ ہمارے دستور میں بنیادی نقائص ہیں اگر ہمارا دستور ان نقائص کے ساتھ سو سال بھی چلتا رہے تو بھی یہ اسلامی نہیں بن سکے گا۔

پروفیسر مشتاق احمد

شعبہ قانون بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد

ہمارے کے پی کے، کے ضلع بونیر کے لوگ بہت سادہ لوح قسم کے مشہور ہیں۔ وہاں ہمارے بڑے روحانی بزرگ سید علی ترمذی بونیر بابا کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ وہیں ایک بڑی پہاڑی چوٹی علم نام کی بھی ہے۔ ایک بونیری سے کسی نے پوچھا کہ پیر بابا بڑا ہے یا علم، تو اس نے کہا کہ آپ نے خدا کو بھی ایسے ہی مخمصے ڈال دیا ہے جیسے مجھے ڈال دیا۔ یکم ستمبر 1994 کو میں اسلامی یونیورسٹی میں شریعہ اینڈ لاء کے سٹوڈنٹ کے طور پر آیا، آج یکم ستمبر 2014 ہے۔ 20 سال تک میں جو پڑھتا پڑھاتا رہا آج اس پر اتنے تابڑ توڑ حملے ہوئے ہیں کہ اب میں بھی اُس بونیری کی طرح مخمصے میں پڑ گیا ہوں۔ لیکن ہو سکتا ہے کہ آخر میں ہم کسی نتیجے پر پہنچ جائیں پیر بابا یا علم؟

میری گزارشات چند نکات پر مشتمل ہیں۔ میرے سامنے بنیادی سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان کا موجودہ دستور اسلامی ہے یا نہیں ہے۔ یہاں دستور اور قانون کے درمیان بھی الجھاؤ نظر آتا ہے۔ توہینِ رسالت کے قانون 295-C کو آئین کہا گیا۔ مگر میری توجہ دستوری نکات پر ہوگی۔ پاکستان کا دستوری نظام اسلامی ہے یا نہیں اس کے بارے میں متضاد آراء ہیں کہ یہ اسلامی نہیں ہے۔ کسی حد تک ہے، بہت حد تک ہے۔ ایک اور گروہ جس نے شریعت کی بالادستی کے لئے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہتھیار اٹھائے ہوئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ کس دستور کی بات کرتے ہیں۔ پاکستان کا دستوری نظام طے شدہ ہے کہ عدلیہ کی شریعت، یعنی عدالت شریعت کی جو تعبیر اختیار کرتی ہے قانون اس کو مانتا ہے۔ خواہ دستور میں اسلامی مباحث کا مسئلہ ہے تو اس میں بھی آخری فیصلہ عدالت کا ہی ہوتا ہے۔ اگر ہم بحث کی خاطر مان لیں کہ پاکستان کا دستوری نظام پورے کا پورا اسلامی نہیں ہے تو اس کے بعد کا سوال یہ ہوگا کہ کیوں نہیں ہے۔ اس کی بنیادی وجہ کیا ہے اس سلسلے میں اپنی بنیادی رائے کو آخر میں پیش کروں گا کہ میری ناقص رائے آخر کیا ہے اور اس کا حل کیا ہے؟ مختصراً میں آپ کے سامنے کچھ عرض گا۔ 1949 میں جب قرارداد مقاصد دستور ساز اسمبلی سے منظور ہوئی تو اس میں بہت سی دیگر باتوں کے ساتھ ہم نے پاکستان میں یہ مفروضہ مان لیا ہے کہ حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے اس قرارداد کو بعد ازاں 1956, 1962, 1973 کے دساتیر میں بھی آئین کے دیباچے کے طور پر رکھ دیا گیا۔ دیباچے کی حیثیت کیا ہے؟ کیا متن میں اس کی کوئی حیثیت رہ جاتی ہے۔ یہ مباحثے عدالتوں کے سامنے آتے رہے ہیں۔ ان میں سب سے اہم مشہور کیس عاصمہ جیلانی بنام حکومت پنجاب 1972 کا کیس ہے۔ عاصمہ جیلانی جو، اب عاصمہ جہانگیر ہیں ان کے والد کو مارشل لاء حکومت نے گرفتار کیا تھا۔ بالآخر بات عدالت عالیہ سے عدالتِ عظمیٰ تک گئی تو یہ سوال زیر بحث آیا کہ جس قانون کے تحت ان کو گرفتار کیا گیا وہی ناجائز تھا۔ یہاں سے مسئلہ مارشل لاء کے نفاذ اور عدم نفاذ کی طرف گیا۔ دستور اس وقت معطل تھا۔ ایل ایف او، عبوری دستور تھا۔ عدالت عظمیٰ کے فل بینچ نے عاصمہ جیلانی کیس میں فیصلہ سنایا کہ مارشل لاء ہمارے سیاسی اور ریاستی نظام کی اساس کے خلاف ہے۔ اس اساسی نظام کیلئے انھوں نے جس دستاویز کو پیش کیا وہ قراردادِ مقاصد تھی۔ اس قرارداد کو بنیادی حقیقت حاصل ہے۔ پورا ریاستی ڈھانچہ اس سے وجود میں آیا ہے اور اس میں مارشل لاء کی گنجائش نہیں ہے۔ اسی طرح سپریم کورٹ نے 1958ء کے فیصلے کے مطابق قرار دیا تھا کہ جب دستور معطل ہو گیا تو پھر ہم پیچھے کی بجائے آگے دیکھیں گے۔ اس فیصلے کو عدالتِ عظمیٰ نے عاصمہ جیلانی کیس میں اوورٹرن کر دیا۔ اس فیصلے سے لگتا ہے کہ قراردادِ مقاصد کو دستور سے بھی بالادست حیثیت حاصل ہے۔ اس فیصلے کے بعد سول مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر ذوالفقار علی بھٹو کو مارشل لاء ختم کرنا پڑا۔ وہ صدارت کا عہدہ چھوڑ کر وزیر اعظم بنے۔ پھر نیا دستور بنا اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اگست 1973 سے وہ نافذ ہوا۔ لیکن اگلے ہی سال سپریم کورٹ میں ایک نیا کیس سامنے آیا۔ ضیاء الرحمٰن کیس میں سپریم کورٹ نے یہ قرار دیا کہ ایک جانب دستور کا متن ہے اور دوسری جانب دستور کا دیباچہ ہے اگر ان میں تعارض آجائے تو ہم دیباچے کو متن پر فوقیت نہیں دے سکتے۔ یعنی دستور کے نافذ العمل حصے پر عمل کیا جائے گا۔ جب 1985 میں آٹھویں ترمیم آئی تو اس میں دفعہ دو الف کا اضافہ کیا گیا اور اس کے تحت قرار دیا گیا کہ قرار دادِ مقاصد دستور کا اسی طرح حصہ ہے جس طرح آئین کی باقی شقیں ہیں۔ اس طرح گویا پارلیمان نے عدلیہ کے اس سوال کا جواب دیا کہ ہم دیباچے کو آئین کی شقوں پر فوقیت نہیں دے سکتے۔ پارلیمان نے قرار دیا کہ اب یہ دستور کا حصہ ہے۔ بظاہر اس سے یہ معلوم ہو رہا ہے کہ اب آرٹیکل 2-A کی روشنی میں آئین کی تعبیر و تشریح کی جائے گی اور اگر کہیں دستور میں کوئی ایسی بات ہے جو آرٹیکل 2-A کے ساتھ متصادم ہے تو اس کو یوں سمجھا جائے گا کہ اس کو آرٹیکل 2-A کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔ لیکن عملاً جب یہ مسئلہ سپریم کورٹ کے سامنے رکھا گیا تو اس کا نتیجہ کچھ اور نکلا۔ اسلامی نظریاتی کونسل جو 1962ء میں اسلامی مشاورتی کونسل کے نام سے قائم کی گئی اور 1973 کے دستور میں اس کو اسلامی نظریاتی کونسل بنا دیا گیا اسے کہا گیا کہ وہ پارلیمنٹ یا صوبائی اسمبلی کو سفارشات دے اور اگر پارلیمنٹ چاہے تو اس سے بھی سفارشات طلب کر سکتی ہے۔ لیکن آرٹیکل 229 کا تقاضا ہے کہ اگر مفادِ عامہ کے تحت فوری قانون سازی کا معاملہ ہو تو پارلیمنٹ سفارشات کو دیکھے بغیر ہی قانون سازی کر سکتی ہے۔ سفارشات تو کئی بار پارلیمنٹ کو پیش کی گئیں مگر پارلیمنٹ نے آج تک ایک بار بھی ان سفارشات کا جائزہ نہیں لیا۔ کیونکہ اس پر کوئی دستوری پابندی نہیں کہ اگر آپ جائزہ نہیں لیں گے تو پھر کیا ہو گا۔ ضیاء الحق نے یہ کیا کہ انھوں نے ہائی کورٹس میں شریعت بینچ بنائے جن کو یہ اختیار دیا کہ ایک جانب حدود کے مسئلے پر اپیل ہو گی تو وہ ہائی کورٹ میں شریعت بینچ کے سامنے آئے گی اور دوسرا کام یہ کہ اگر کوئی قانون شریعت سے متصادم ہو تو اسے کالعدم قرار دیا جائے۔ چاروں ہائی کورٹس میں شریعت بینچ بنا دیئے گئے۔ پھر اگلے سال ان کو ختم کر کے ان کی جگہ وفاقی شرعی عدالت قائم کی گئی اور یہی اختیار اس کو دیا گیا مگر اس کے دائرہ کار سے آرٹیکل 203BC کے تحت چار چیزیں نکال دی گئی ان قوانین میں ایک تو دستور کو اس کے دائرہ کار سے باہر قرار دیا گیا دوسری چیز جو عدالتی فیصلے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سے متعلق تھی، تیسری چیز مسلم پرسنل لاء اور چوتھی چیز مالیاتی امور سے متعلق قوانین۔ ابتدا میں دو سال پھر چار سال اور آخر میں دس سال کا وقت لیا گیا کہ ہم ان قوانین کو اسلام سے ہم آہنگ کر لیں گے۔ یہ مدت 1990 میں ختم ہوگئی، اب تین طرح کے قوانین شریعت کورٹ کے اختیارات سے باہر ہیں، دستور، پروسیجرل لاء اور مسلم پرسنل لاء۔ لیکن اس سے کیا مراد ہے اور اس میں کیا کیا آتا ہے اور کیا نہیں آتا، مثال کے طور پر پہلے فرشتہ کیس میں 1980ء میں سپریم کورٹ نے مسلم پرسنل لاء کی جو تعریف متعین کی اس کی رو سے مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 شریعت کورٹ کے اختیارات سے باہر تھا، لیکن 1993 میں ڈاکٹر محمود الرحمٰن فیصل کیس میں سپریم کورٹ نے ایک اور فیصلے میں جائزہ لینے کے بعد مسلم پرسنل لاء کی ایک اور تعریف دے دی کہ جس کی وجہ سے مسلم فیملی لاز آرڈیننس 1961 کا جائزہ لینا شرعی عدالت کے لیے ممکن ہوا۔ 2000ء میں شرعی عدالت نے فیصلہ سنا دیا مگر اس کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر ہوگئی۔ اپیل کا ایشو آیا تو میں وضاحت کروں معاملہ اتنا سیدھا نہیں ہے۔ وفاقی شرعی عدالت کا جب فیصلہ آجائے تو دستور میں بھی یہ طے کیا گیا ہے اور سپریم کورٹ نے بھی مانا ہے اور یہ پاکستان کے دستوری اور قانونی نظام کا مسلمہ قاعدہ ہے کہ جب شریعت کورٹ نے اپنے مخصوص دائرہ عمل میں کہ کوئی چیز شرعی ہے یا نہیں ہے اس میں کوئی فیصلہ سنا دیا اور پھر اس فیصلے کو سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بینچ نے اوورٹرن نہیں کیا تو اس فیصلے کی پاسداری سپریم کورٹ پر بھی فرض ہے۔ یعنی اگر سپریم کورٹ کسی اور معاملے میں قصاص ودیت یا حدود کے معاملے پر جسے شریعت کورٹ نے پہلے ہی طے کر دیا ہو کہ شریعت یہ کہتی ہے تو سپریم کورٹ کے جج صاحبان اس معاملے میں نہیں جاتے کہ شریعت کہتی ہے یا نہیں کہتی ہے۔ کیونکہ وفاقی شرعی عدالت نے کہا کہتی ہے، سو کہتی ہے۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ سپریم کورٹ کا ایک مخصوص بینچ، شریعت ایپلٹ بینچ، وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو (جس کے جج ڈاکٹر خالد مسعود صاحب بھی ہیں) اوورٹرن کر دے تب حتمی فیصلہ سپریم کورٹ کے شریعت ایپلٹ بینچ کا ہو جاتا ہے۔ ہمارے دستوری نظام میں دو بنیادی مفروضے ہیں، ایک یہ کہ موجودہ تمام قوانین کو ہم قرآن و سنت سے ہم آہنگ کریں گے دوسرا یہ کہ آئندہ کوئی قانون سازی قرآن وسنت سے متصادم نہیں ہوگی۔ یہ دو وعدے تینوں دساتیر میں تھے۔ کئی کیسوں میں سپریم کورٹ نے یہ طے کیا مگر 1996ء کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کیس بہت ہی اہم ہے ''الجہاد ٹرسٹ بمقابلہ فیڈریشن آف پاکستان''۔ اس میں سپریم کورٹ نے دستوری نظام کی چار بنیادی خصوصیات قرار دیں۔ ایک یہ کہ ہمارا دستوری نظام وفاقی، دوسرا یہ کہ پارلیمانی، تیسرا یہ کہ اسلامی اور چوتھا یہ کہ یہاں عدلیہ آزاد ہوگی۔ اس لیے انھوں نے یہاں تک کہا کہ اگر آئین میں کوئی ترمیم بھی ہو جائے جو اس کے بنیادی ڈھانچے کے خلاف ہو تو وہ بھی نا قابل قبول ہوگی۔ ماضی قریب میں سپریم کورٹ نے پارلیمان کو مجبور کیا کہ وہ ججوں کی تقرری کا طریقہ کار بدلے، اٹھارویں ترمیم میں ججوں کی تقرری کا جو طریقہ کار طے کیا گیا تھا وہ کیس سپریم کورٹ میں آیا تو سپریم کورٹ نے حتمی فیصلہ نہیں دیا مگر پارلیمنٹ کو کہہ دیا کہ اس کو تبدیل کر لیں۔ اس لیے پارلیمنٹ کو 19 ویں ترمیم اس بنیاد پر کرنی پڑی کہ سپریم کورٹ اس کو ختم کرنے والی تھی۔ جب یہ حالت ہوئی تو پھر مسئلہ کیا ہے پھر ہم کیوں کہتے ہیں کہ دستور پورے کا پورا اسلامی نہیں، اس میں کچھ ہونا چاہئے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ یہیں سے اصل مسئلہ سامنے آجاتا ہے کہ ہماری سپریم کورٹ اور عدالتوں نے دستور کی تعبیر و تشریح جس طرح کی ہے اس کو ایک طرح سے ٹکڑوں میں بانٹ دیا ہے۔ یعنی ہمارے دستور کی کچھ دفعات کو وہ اسلامی دفعات کہتے ہیں۔ اور اس کی تعبیر اسلامی شریعت کی روشنی میں کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ باقی دستوری وضاحت کو غیر اسلامی یا غیر شرعی کے تناظر میں نہیں بلکہ وہ ان کو اسلامی دفعات کے طور پر دیکھتے ہی نہیں۔ جب ان کی تشریح کو دیکھا جاتا ہے تو اس میں اسلام کے اصول و قواعد کیا ہیں وہ غیر متعلق ہو جاتے ہیں۔ اس کی ایک مثال آرٹیکل 248 ہے کہ صدر اور گورنرز کن کن امور میں عدالتی کارروائی سے مستثنیٰ ہیں اگر اس استثنیٰ کی آپ جڑ نکالیں تو وہ ریاست کی خود مختاری کا تصور ہے کہ ریاست اقتدار اعلیٰ کی حامل ہے اور صدر ریاست اسی اقتدار اعلیٰ کا نمائندہ ہے۔ عدالت کے سامنے این آر او کے کیسز میں بھی یہ مسئلہ اٹھا لیکن سپریم کورٹ اس معاملے میں گئی ہی نہیں۔ حالانکہ چوہدری اعتزاز احسن نے کہا کہ اگر حضرت عمر فاروقؓ عدالت میں آسکتے ہیں تو پرویز مشرف کیوں نہیں آسکتے۔ لیکن عدالت نے اس نقطے کو لیا ہی نہیں۔ آرٹیکل 6 جو آج کل زیر بحث ہے یعنی سنگین غداری، اس سے کیا مراد ہے، ڈکشنری میں کیا ہے اور آئین کی دستاویز میں کیا ہے۔ یہ مباحث جاری ہیں لیکن اگر ہمارا دستور اسلامی ہے تو کیا غداری کے مسئلے پر شریعت میں کچھ نہیں ہے۔ یہ بحث عدالتوں میں ہوتی ہی نہیں ہے۔ سپریم

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کورٹ میں میڈیا پر عریانی وفحاشی کا کیس زیر التوا ہے اور کافی عرصے سے اس پر کوئی فیصلہ نہیں آرہا۔ سپریم کورٹ کہتی ہے کہ فحاشی وعریانی کی ذرا تعریف تو کریں۔ آرٹیکل 19 کے تحت آپ کو آزادی اظہار رائے کا حق حاصل ہے لیکن اس زمرے میں کیا آتا ہے؟ اور آخری بات جو میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ سپریم کورٹ بھی آج اگر دستور العمل دے دے کہ آج کے بعد پاکستان کے دستور کی تمام دفعات کی تشریح قرآن وسنت کی روشنی میں کی جائے گی تو میرے لیے تو پورے کا پورا دستور اسلامی ہو جائے گا۔ ہاں اس کے بعد یہ مسئلہ رہے گا کہ قرآن وسنت کی روشنی سے کیا مراد ہے؟ یعنی ہم نے تو دستور میں طے کیا ہے کہ احکام اسلام جو قرآن وسنت میں مذکور ہیں لیکن نہ سپریم کورٹ نے نہ وفاقی شرعی عدالت نے نہ اسلامی نظریاتی کونسل نے آج تک کسی ایک معاملے میں بھی طے نہیں کیا کہ احکام اسلام سے کیا مراد ہے۔ یعنی جس کو ہم سٹینڈرڈز کے مطابق استعمال کر رہے ہیں وہ کیا ہے۔ یہ معاملہ کئی بار شرعی عدالت میں آجاتا ہے۔ ہمارے علمائے کرام ان کے سامنے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کی رائے یا ان کی تحقیق سامنے رکھتے ہیں۔ ججز کہتے ہیں کہ ہم تو قرآن وسنت کے پابند ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی آیت یا کوئی حدیث، لیکن جب یہ فیصلہ لکھنے پر آتے ہیں تو پھر ''ہدایہ'' سے ہدایت المجتہد'' اور ''ردالمحتار'' سے بھی چیزیں آجاتی ہیں۔ اگر پریکٹس سٹیٹمنٹ والا اصل بھی نا قابل قبول ہے تو پھر تو یہ آزادی مارچ اور دھرنے جاری رہیں گے۔ پورا نظام ہی تبدیل کر لیتے ہیں، یعنی نیا پاکستان۔

خورشید ندیم

کالم نگار وانیکر پاکستان ٹیلی ویژن

اس ملک میں پہلے تو یہ طے کرنا پڑے گا کہ ریاست کیا ہوتی ہے۔ اس کے فرائض کیا ہوتے ہیں۔ دوسرا سوال یہ کہ اگر ریاست ہوتی ہے تو حق اقتدار کن کو دیتی ہے وہ لوگ جو بندوق رکھتے ہیں اور طاقت کے بل بوتے پر اقتدار پر قابض ہو جاتے ہیں ان کو دیتی ہے یا ان کو دیتی ہے جو وراثت میں تاج رکھتے ہیں۔ یا پھر کسی ایسے طبقے کو دیتی ہے کہ جس کو عامۃ الناس کا بحیثیت مجموعی اعتماد حاصل ہوتا ہے۔ اسلام اور غیر اسلام کی بحث تو بعد کی بات ہے کہ پہلے ہم ان سوالوں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے جواب دیکھیں۔ مثلاً ایک شخص جس کے پاس طاقت ہے وہ اقتدار پر قبضہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں کل سے اس ملک میں شریعت نافذ کروں گا تو کیا اس کے اس بیان کے بعد اس کا حقِ اقتدار ثابت ہے کہ وہ ملک پر مسلط ہو جائے اور اس کا فرمایا ہوا قانون چلے گا۔ یا پھر فرض کریں کہ کل ایک گروہ جس کو اکثریت کی حمایت حاصل ہے وہ کہتا ہے کہ ہم آ گئے ہیں۔ اب اس کے بعد کوئی اسلام اور کوئی غیر اسلام نہیں سادہ سا مغربی جمہوریت کا نظام ہے جس کے تحت ہم ملک چلائیں گے۔ یہ بنیادی سوالات ہم طے نہیں کر سکے۔ ہم 65 سال سے ان بنیادی سوالات سے آگے نہیں بڑھ سکے۔ ہم اس تفہیم دین کے تناظر میں سوچتے ہیں کہ جس کی اساس وہ خلافت کا نظام ہے کہ جو اسلام کے اولین دور میں جاری رہا لیکن اس کو ایک ایسی قومی ریاست پر نافذ کرنا چاہتے ہیں جو دورِ جدید میں وجود میں آئی ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ہمارے پاس ایک لباس ہے لیکن جسم کے ناپ کا نہیں۔ لباس چھ فٹ کے آدمی کی قامت کا ہے مگر ہم اسے ساڑھے چار فٹ کے آدمی کو پہنانا چاہتے ہیں۔ جب ہم پہنا دیتے تو اس کا مضحکہ خیز دکھائی دینا لازم ہے پھر ہم کبھی اس کی قمیض کو نیچے سے کاٹتے ہیں پھر ہم چاہتے ہیں کہ اس کا گلا سترہ انچ کا ہے اس کو کاٹ کر فٹ کر لیں۔ اس طرح کاٹ کاٹ کر اس کی شکل مزید مضحکہ خیز ہو جاتی ہے چنانچہ ہم جیتے قومی ریاست میں ہیں اس پر چودہ سو سال پہلے کے دورِ خلافت کا نمونہ لانا چاہتے ہیں جبکہ وہ دور اور تھا اور اس کے مذہبی تقاضے اور تھے۔ اس کے لیے ہم مثالیں اور نظائر لاتے ہیں اور پھر وہ ایک نیا مخمصہ لاتا ہے۔ جیسے طالبان کا نظام انصاف ہے صبح کیس لگتا ہے شام کو فیصلہ آ جاتا ہے۔ یہ ایک ایسا لبادہ ہے جو ہم ایک ایسی ریاست کو پہنانا چاہتے ہیں جو اس کے لیے بنی ہی نہیں ہے۔ اس کا ایک نظام ہے جس میں قاضی کا کام قانون بنانا نہیں ہے۔ عدلیہ اس کو نافذ کرنے کی کوشش کرتی ہے۔ بدقسمتی سے جو علماء اس مجبوری اور عدالتی نظام کو قبول کرتے ہیں وہ بھی جب نفاذ کا وقت آتا ہے تو اسی قدیم نمونے کے زیر اثر سوچتے ہیں۔ اس میں قانون سازی کا اختیار مقننہ کے پاس نہیں علماء کے پاس ہے۔ قرآن کیا ہے وہ کیا چاہتا ہے اس کا واحد حق صرف علماء کے پاس ہے اس پر علماء کی اجارہ داری ہے وہ اگر طے کر دیں کہ حدود کے مقدمے میں عورت کی گواہی قبول نہیں تو نہیں قبول، اگر حدود میں غیر مسلم کی گواہی قبول نہیں ہے تو نہیں قبول۔ مشرف جیسے سیکولر لوگ بھی جب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ان کے سامنے خواتین کے حقوق کا مسئلہ آیا تو انھوں نے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو بھی ایک طرف رکھا۔ علماء کے کچھ نمائندے چوہدری شجاعت کی مدد سے آئے انھوں نے طے کیا کہ یہ ہے دین، جس کے بعد اس بل کو نافذ کر دیا گیا۔ حالانکہ پارلیمنٹ میں بیٹھے علماء نے اس بل کو نہیں مانا کہ یہ قرآن وسنت کے خلاف ہے۔ آپ کے جمہوری نظام کے تحت ایک خاتون ملک کی وزیر اعظم بن سکتی ہے ہمارے تفہیم دین کے تحت تو نہیں بن سکتی۔ یہ سارے تضادات اس لیے پیدا ہو رہے ہیں کہ ہم بہت بنیادی چیزیں طے نہیں کر سکے۔ جو چیز تاریخ کے جبر کے تحت ہم اختیار کر لیتے ہیں اس کو ہم کیوں نہیں پورے علم اور ادارک کے ساتھ قبول کرتے اور اس کو اپنی مرضی سے کوئی شکل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً تصویر آج بھی بالجماع حرام ہے مگر عملاً یہ اجماع ختم ہو چکا۔ اب تو عرسوں کے اشتہارات بھی باتصویر شائع ہوتے ہیں، مولانا فضل الرحمان اور سراج الحق صاحب کوئی جلسہ بغیر کیمرے کے کر کے دکھائیں۔ فتویٰ ابھی بھی موجود ہے کہ تصویر حرام ہے۔ خواتین کے سیاسی کردار کے حوالے سے فتویٰ اور ہے اور عمل اور ہے۔ آپ کے ملک میں سزائے موت پر پابندی ہے لیکن عالمی حالات کے تناظر میں یہ کہا جاتا ہے کہ آپ اس کو نافذ نہیں کر سکتے۔ رسالت مآبؐ نے مدینہ کی جس ریاست کی بنیاد رکھی۔ وہ بالکل اور ہے اس ریاست سے جس کی بنیاد سیدنا ابوبکر صدیقؓ نے رکھی۔ میثاق مدینہ کے خدوخال بالکل اور تھے اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا سماجی منظر نامہ مختلف تھا اس کے اندر یہودی بھی امت کا حصہ تھے لیکن سیدنا ابوبکر صدیقؓ جس ریاست کی بنیاد رکھ رہے تھے وہ خالصتاً مسلمانوں کی ریاست تھی۔ حضرت ابوبکرؓ کے بعد جب حضرت عمرؓ خلیفہ بنے تو انہیں کہا گیا کہ آپ حضرت ابوبکرؓ کے فیصلوں کو قبول کریں گے انھوں نے کہا کہ بالکل کریں گے۔ اس کے بعد جب حضرت عثمانؓ یا حضرت علیؓ کا فیصلہ ہونے لگا تو کمیٹی نے یہ سوال حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے سامنے رکھا کہ آپ قرآن وسنت کے بعد شیخین کے نظائر کو بھی قبول کریں گے۔ حضرت علیؓ نے کہا کہ میں تو قبول نہیں کروں گا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا کہ میں کروں گا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں بھی ایک خیال یہ تھا کہ شیخین کے نظائر کو ان کے دور تک ایک حیثیت حاصل ہے ان کو ایک مستقل ماخذ قانون نہیں بنا سکتے۔ یہ جو آج کے حالات کا تناظر ہے، ایک مقامی اور دوسرا عالمی، اُس کا ادراک کیے بغیر جب ہم کسی اسلامی ریاست کا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خواب یا تصور دیکھتے ہیں تو وہ سارے مسئلے پیدا ہوتے ہیں جس کی طرف قبل ازیں اہل علم نے اشارہ کیا ہے۔

سوالات و جوابات

سوال

محمد عرفان، معلم جامعہ غوثیہ

کیا حدود آرڈیننس اسلامی تعلیمات کے مطابق ہے، اس حوالے سے بہت سارے ابہامات جنم لے رہے ہیں، اگر اس کی وضاحت کر دی جائے تو تشفی ہو جائے گی۔

جواب:

ڈاکٹر خالد مسعود، سابق چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل

حدود پر قوانین 1979 میں بن گئے تھے اور ان پر عمل درآمد بھی ہوتا رہا۔ لیکن مسئلہ یہ تھا کہ حدود پر قانون سازی نہیں ہوئی تھی۔ فقہ کی کتابوں سے چیزیں لی گئی تھیں۔ چونکہ فقہ میں حدود اور تعزیر میں فرق ہے انھوں نے تعزیر والی شقیں بھی حدود آرڈیننس میں شامل کر دی تھیں اور کہا تھا کہ یہ حدود کے مطابق ہے اور یہ تعزیز کے مطابق ہے اور پھر کئی سال تجربے ہوئے اور دقتیں ہوئیں اس پر علماء اور ہمارے قانون دانوں نے بہت سارے نکات اٹھائے۔ جب میں چیئرمین تھا تو ہم نے ان پر نظر ثانی کی۔ اس زمانے میں اسلامی نظریاتی کونسل کی متفقہ رائے تھی کہ اس پورے قانون پر نظر ثانی کی ضرورت ہے اور اس کے لیے ہم نے حکومت کو سفارش پیش کی اس پر بحث شروع ہوئی اس کو سیاسی انداز سے حل کرنے کی کوشش ہوئی، علماء کی کمیٹی بنائی گئی، ڈرافٹ بنا، صرف دو امور اس میں سے لئے گئے، زنا اور قذاف کا۔ ان پر بنیادی طور پر جو سوالات اٹھائے گئے تھے۔ کیونکہ علماء کا کہنا تھا کہ زنا بالجبر اور زنا بالرضا دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔ عورت نے دوسرے پر الزام لگاتے ہوئے کم از کم یہ بات مان لی کہ وہ بھی گناہ میں شامل تھی اس لیے وہ بھی سزا کے قابل ہے۔ اس پر بحث نہیں ہو سکی۔ چنانچہ وہ خواتین جو زنا کی شکایت لے کر آئی تھی وہ جیل میں گئیں۔ کیونکہ اس الزام کو ثابت بھی خاتون نے کرنا تھا اور پروسیجرل طریقہ ناقص تھا۔ میرے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خیال میں قرآن مجید میں چار گواہوں کا ذکر ہے وہ ان کے لیے ہے جو محصنات پر الزام لگائیں یعنی اگر چار سے گواہ کم ہوں تو وہ بہت بڑا الزام لگا رہے ہیں وہ ناکافی ہوگا۔ ہم نے فقہ میں بھی اس کا پروویجر بنا دیا، زنا بالرضا کا بھی اور زنا بالجبر کا بھی۔ جو بے چاری شکایت لے کر آئی تھی اس کے ذمہ ہو گیا کہ وہ زنا کو ثابت کرے کیونکہ وہ الزام لگا رہی ہے جو اس کے لیے بہت مشکل تھا پھر اس میں جو ترمیم ہوئی اس میں اچھی بات یہ ہوئی کہ حدود آرڈیننس میں حدود و تعزیر دونوں اکٹھے تھے، اور ان کے لیے پروسیجر صرف حدود کا چلتا تھا، تعزیر کے جتنے بھی قوانین تھے انھوں نے ہٹا کر تعزیرات میں ڈال دیئے، حدود کے قوانین اُسی طرح حدود آرڈیننس میں رہے۔ ویمن پروٹیکشن ایکٹ میں اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ آج تک حدود آرڈیننس کا کسی نے مطالعہ نہیں کیا سب یہی کہتے ہیں یہ اسلامی نہیں۔ اس میں رجم کی جو سزا ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ جب پتھر مارنا شروع کریں گے تو ایک سپاہی گولی مارے گا اور جب گولی لگے گی تو لوگ پتھر مارنا بند کر دیں گے۔ یہ کون سی فقہ کی کتاب سے لیا گیا ہے اس کو سب علماء کہتے ہیں یہ صحیح ہے۔ یہ جناب محمد معروف دوالیبی صاحب کی ترمیم تھی سیدھا سادھا کہتے کہ ہم سنگ باری کو اچھا نہیں سمجھتے اس لیے ہم اس کو فائرنگ سکواڈ کے سامنے رکھ کر پھانسی دے رہے ہیں۔ دوسرا یہ کہ خورشید ندیم صاحب نے ابہام کا تذکرہ کیا ہم اگر سمجھ لیں کہ ایک طرف فقہ ہے اور ایک طرف عام قانون ہے، یہ برٹش کامن لاء اور فقہ کے درمیان کی بحث ہے۔ فقہ میں بھی جو بحث پاکستان میں ہے وہ قرآن و سنت کی نہیں ہے یہ بحث فرقہ وارانہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ اختیار کس کو ہے کہ اس کی تعبیر کون کرے۔ بنیادی طور پر یہ کہ اقتدار کس کے پاس ہو۔ میرا خیال ہے کہ اسلامی فقہ کی تاریخی طور پر ابتدا ہوئی ہی اسی لئے ہے کہ تب اموی اور عباسی حکمران قاضیوں کے معاملات میں دخل دیتے تھے اس کے لیے فقہ کو ایک پرائیویٹ قانون کے طور پر بنایا گیا۔ اس میں حکومت کا یا ریس کا کیا حصہ ہوگا وہ اس میں نہیں ہے، ریاست صرف اس کو نافذ کرے گی، اس کی تعبیر فقہا کریں گے۔ یہ ایک متبادل قانون تھا جو صرف ان چیزوں پر بنا جس کی رہنمائی قرآن و سنت میں موجود تھی باقی سب چیزوں کو تعزیر میں ڈال دیا اور اس کے لیے ریاست کے سامنے کھلا میدان چھوڑ دیا۔ علماء کا کہنا ہے کہ فقہ پر بات پارلیمنٹ کر سکتی ہے نہ کوئی اور، صرف علماء کر سکتے ہیں۔ وہ آخر کار ایک علمی بحث نہیں رہتی وہ سیاسی اور اقتدار

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کی بحث بن جاتی ہے اور جب تک ہم اس کو طے نہ کر لیں۔ علماء کا ایک ذہن بنا ہوا ہے کہ ساری طرف ان کے دشمن ہیں اور ہم پر سارے تلے ہوئے ہیں ایک سیکولر طبقہ ہے ایک فلاں طبقہ ہے ۔میرا خیال ہے کہ ہمیں ان کے ساتھ بیٹھ کر کھل کر بات کرنی ہوگی۔ ہمیں مطالعہ کرنا ہوگا۔ ہم صرف ایک حد تک مطالعہ کر کے رائے بنا لیتے ہیں بین المذاہب اور مختلف فرقوں کے حوالے سے دلائل کا جائزہ لیا جائے تو پھر ہمارے ذہن سے یہ بات ختم ہو جائے کہ یہ کفر کی طرف لے جاتا ہے یا فسق کی طرف لے جاتا ہے بلکہ ہمیں خوشی ہو کہ یہ سب لوگ قرآن وسنت کی ہی تعبیر وتشریح کر رہے تھے۔ ان سے اختلاف ہوسکتا ہے اور اس اختلاف کو اجماع کی شکل میں بھی لایا جاسکتا ہے کہ بنیادی طور پر ہمارے اصول ایک ہیں۔

سوال۔

سلیمان عارف، جامعہ محمدیہ اسلامیہ

اسلامی ریاست اور معاشرے کے لئے آئیڈیل دور کون سا ہے، بالخصوص اگر ہمارے ذہن میں رسالت مآب ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی دونوں پیش نظر ہوں۔

جواب

خورشید ندیم:

پہلا سوال جو آپ نے کیا اگر ناسخ اور منسوخ کی بحث سامنے رکھیں تو اس سوال کا جواب آپ کو مل جائے گا۔ ہمیں اس خیال سے اتفاق ہے کہ جب دین مکمل ہو گیا اور حتمی چیزیں سامنے آ گئیں تو اس کے بعد جو پرانے نظائر ہیں ہمارے لیے حجت نہیں رہے۔ قرآن ومجید کے اندر ناسخ ومنسوخ کی بحث جو اہل تفسیر آج تک کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک رائے یہ بھی ہے کہ جو جہاد کی آیات آئیں خاص طور پر سورۃ توبہ کی، اس کے بعد جو صبر کی آیات ہیں وہ منسوخ تصور کی جائیں، اس کے بعد کافروں کے ساتھ سختی سے معاملہ کرو یعنی جب آپ کے پاس طاقت آ گئی تو صبر کی آیات منسوخ ہو گئیں یہ بات آپ کو ناسخ ومنسوخ کی بحث میں سب تعبیروں میں ملے گی، اس میں لوگ کہتے ہیں کہ جب دین مکمل ہو گیا تو اس کے بعد میثاق مدینہ والا ماڈل منسوخ ہو گیا اور وہ قابل قبول نہیں رہا۔ جب اسوۂ حسنہ کی بات ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں کہ جب دین مکمل ہو گیا تو اب

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

پرانے نظائر قابل قبول نہیں ہیں۔ آج کے دور میں بہت سارے علماء اس سے اختلاف بھی کرتے ہیں کہ یہ بات صحیح نہیں ہے بلکہ دین سارے کا سارا اور سارا قرآن وسنت آپ کے لیے مثال اور آپ کے لیے اسوۂ حسنہ ہے۔ ایک تکثیری معاشرے میں آپ کو کیسے جینا چاہئے اس کی مثال آپ کو میثاق مدینہ میں ملے گی۔ اگر آپ ایک تکثیری معاشرے میں رہ رہے ہیں تو یہ آج بھی نافذ العمل ہوگی۔ اگر آپ کسی ایسے معاشرے میں رہ رہے ہیں جس میں آپ کے پاس طاقت نہیں اور آپ کمزور ہیں تو پھر آپ کے لیے مکہ کا ماڈل ہے کہ جب رسالت مآبؐ کے پاس اقتدار نہیں تھا اس لیے وہاں نفاذ دین کے لیے کوئی اجتماعی مہم نہیں چلی یہ ساری چیزیں بعد میں ہوئیں جب مدینہ کی ریاست آگئی۔ آج بھی اہل علم مکہ کے اور مدینہ کے ماڈل کا ذکر کرتے ہیں۔ بالخصوص آج کے دور میں جب لوگوں نے کسب معاش کے لیے بڑی تعداد میں ایک ملک سے دوسرے ملک میں ہجرت کی تو اس میں نئے نئے مسائل پیدا ہوئے۔ فقہ العقلیات نے جنم لیا۔ میں تو اس کو صحیح سمجھتا ہوں کہ ایک تکثیری معاشرے میں آج بھی رسالت مآب کی وہی سنت قابل قبول ہونی چاہئے جو میثاق مدینہ کے تناظر میں ہے۔ دوسرا یہ کہ میں کہتا ہوں کہ ہمارے پاس کپڑا بھی ہے اور دھاگہ بھی تو پھر اپنا لباس اپنی قامت کے مطابق بنانا چاہئے۔ نہ کہ خلافت کا وہ لبادہ جو چودہ سو سال پہلے کے تقاضوں کے مطابق تھا اسے اپنائیں اور مضحکہ خیز لگنے لگیں۔ اصول آپ اسلام سے لیں مگر سسٹم ہر دور کے تقاضوں کے مطابق بنایا جائے۔ اسلام کا کوئی ایک نظام نہیں وہ زمان ومکان کی قید سے مشروط ہے اور بدلتا رہے گا۔ ایک وقت میں وہ کئی ہو سکتے ہیں جیسے کہ آج کے دور میں سوڈان میں اسلامی ریاست کچھ اور طرح کی ہے سعودی عرب میں کچھ اور، ایران میں اور، اور طالبان کی اور طرح کی ہے۔ یعنی کپڑا اور دھاگہ وہیں سے لے کر اپنی ترجیحات کے مطابق لباس بنالیں اس کو ہم اجتہاد کہتے ہیں۔ مسلمات کے ساتھ ساتھ نصوص میں بھی غور وفکر کی روایت کو ہی آگے بڑھانا پڑے گا۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مکالمہ چہارم (قومی)

بتاریخ: 22 اکتوبر، 2014

بمقام: اسلام آباد

صدارت: خورشید احمد ندیم۔ مذہبی سکالر و اینکر پاکستان ٹیلی ویژن

محرکِ بحث: ڈاکٹر قبلہ ایاز، وائس چانسلر اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

میزبان: محمد عامر رانا، ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز اسلام آباد

شرکائے گفتگو

مولانا عبدالحق ہاشمی، مذہبی سکالر و ممبر ایڈوائزری کونسل جماعت اسلامی۔ کوئٹہ

ڈاکٹر رشید احمد، اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سینٹر پشاور

صاحبزادہ محمد امانت رسول، پرنسپل ادارہ فکرِ جدید و ایڈیٹر ماہنامہ روحِ بلند لاہور

مولانا سید احمد بنوری، معلم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

مفتی محمد زاہد، وائس پرنسپل جامعہ امدادیہ فیصل آباد

مولانا یٰسین ظفر، پرنسپل جامعہ سلفیہ فیصل آباد و سیکرٹری جنرل وفاق المدارس سلفیہ

مولانا عمار خان ناصر، ڈپٹی ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ

ڈاکٹر اعجاز صمدانی، جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی

عطاء اللہ شہاب، ممبر ناردرن ایریا کونسل و رہنما جمعیت علمائے اسلام گلگت بلتستان

مولانا محمد شفیع چترالی، مذہبی سکالر و کالم نگار روزنامہ اسلام کراچی

ڈاکٹر ثاقب اکبر، ڈائریکٹر اخوت اکیڈمی اسلام آباد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام آباد میں منعقدہ قومی مباحثے کے شرکاء

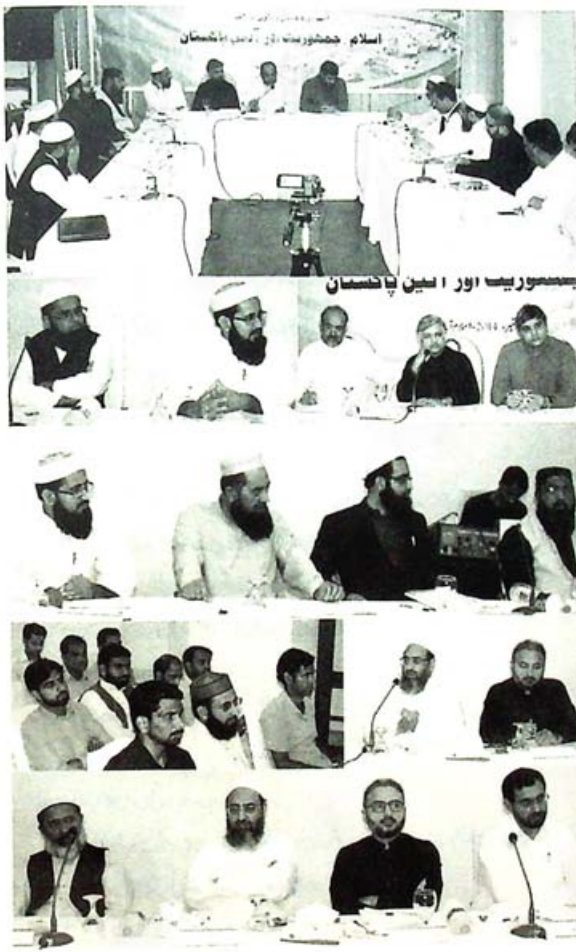

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

خطبہ استقبالیہ

محمد عامر رانا، میزبان

ڈائریکٹر پاک انسٹی ٹیوٹ فار پیس سٹڈیز

یہ اپنے سلسلے کا آخری پروگرام ہے اس سے قبل اس طرح کی فکری نشستیں، کراچی، لاہور ،خیبر پختونخواہ اور اسلام آباد میں ہو چکی ہیں، ان نشستوں کی غرض و غایت کیا ہے اور ان کی ضرورت کیوں پیش آئی اس کی وضاحت ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب ہم نے یہ مکالمہ شروع کیا تو اس وقت پاکستان کی نظری صورتحال قدرے مختلف تھی، غیر ریاستی عناصر کی جانب سے اسے ایک چیلنج درپیش تھا۔ چنانچہ اس موضوع پر ایک بھرپور فکری مکالے کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہم نے یہ کوشش کی۔ آج کے حالات میں اگرچہ اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ چکی ہے اس لئے ہماری آپ سے گزارش ہوگی کہ موجودہ سیاسی اور نظری حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہماری رہنمائی فرمائیں اور اُن سوالوں کے جواب دیں جو اس سے قبل کی نشستوں میں اٹھائے گئے ہیں۔ میں آج کے صاحب صدر خورشید ندیم سے گزارش کروں گا کہ وہ آج کے مکالے کو آگے بڑھائیں۔

خورشید احمد ندیم: صاحبِ صدر

مذہبی سکالر، کالم نگار، اینکر پرسن پاکستان ٹیلی ویژن

چونکہ آج کی نشست اس سلسلے کی آخری کڑی ہے اس سے قبل مختلف شہروں میں اس طرح کی نشستیں ہو چکی ہیں۔ چنانچہ ہماری خواہش ہوگی کہ ہم گزشتہ نشستوں کے حاصل کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی بات کو آگے بڑھائیں، اس کے لئے اگر ہمارے ذہنوں میں کچھ پس منظر بھی تازہ ہو جائے کی یہ ساری بحث اب کس موڑ پر پہنچ چکی ہے تو ہم بات کو زیادہ بہتر طریقے سے آگے بڑھا سکیں گے، اس سلسلے میں، میں ڈاکٹر قبلہ ایاز صاحب سے گزارش کروں گا کہ وہ گزشتہ کاروائی کو ہمارے سامنے رکھیں تاکہ مزید گفتگو کی جا سکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر قبلہ ایاز
وائس چانسلر اسلامیہ کالج یونیورسٹی پشاور

زمانۂ قدیم سے ہی مختلف معاشرے اپنا نظم ونسق چلانے کی کوشش کرتے رہے۔ موجودہ زمانے میں جمہوریت کا تصور یونانی معاشرے سے آیا۔ عربوں میں رسولِ اکرمؐ کی بعثت سے پہلے یہ تصور موجود تھا کہ ان کے بڑے اکھٹے ہوکر معاشرتی نظم ونسق کے فیصلے کرتے تھے۔ اس سلسلے میں قبیلہ قریش کو سیادت حاصل تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ نے قرآن وسنت کی روشنی میں شورائیت کا تصور دیا، خلافتِ راشدہ میں بھی اس کی ایک جھلک نظر آتی ہے۔ بعد میں جب شہنشاہیت اور خاندانی حکومتیں آئیں تو اس میں بھی ہمارے اہلِ فکر یہ سوالات اٹھاتے رہے کہ استبدالِ حکومت کیسے ہو؟ امام الماوردی، الفارابی جیسے جید علماء نے ان موضوعات پر تفصیل کے ساتھ کتابیں لکھیں، جن میں ''الاحکام سلطانیہ''، ''حکومتِ الشریعہ'' وغیرہ شامل ہیں۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی تو پوری ایک فکر ہے، احتجاج کس طریقے سے ہو، انقالِ حکومت کیسے ہو، فتنوں سے کیسے بچا جائے۔ جب عرب اور برصغیر میں غیر ملکی حکومتیں آئیں تو دین دار طبقے نے آزادی کی تحریکیں سیاسی اور فوجی محاذوں پر چلائیں۔ پاکستان بننے کے بعد ایک موقع ایسا بھی آیا جب تعلیم یافتہ لوگوں کی مذہبی اور سیاسی جماعت، جماعت اسلامی میں خود مودودی صاحب کی زندگی میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ جمہوریت اور انتخابات کا حصہ بنا جائے یا نہیں۔ جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے تھے وہ لوگ جماعت سے الگ ہوگئے اور اپنی علیحدہ تنظیمیں بنادیں۔ جبکہ کچھ علماء نے جمہوری اور سیاسی انداز اختیار کیا اور آئین سازی کا حصہ بھی بنے۔ دوسری طرف القائدہ، داعش، طالبان اور انصار الامہ جیسی تنظیمیں بھی ہیں جو یہ کہتی ہیں کہ جمہوری اور دستوری طریقے سے نہ تبدیلی آسکتی ہے نہ ہی اسلامی حکومت قائم ہوسکتی ہے۔ داعش نے حال ہی میں خلافت کا اعلان کر کے ابوبکر بغدادی کو اپنا خلیفہ بنایا ہے اور انھوں نے الفتح کے نام سے اپنے پمفلٹ پشاور میں افغان مہاجرین کے کیمپوں میں بھی تقسیم کئے ہیں۔ اس سے قبل افغانستان میں بھی طالبان نے اقتدار پر قبضہ کر کے حکومت قائم کی اور جو ان سے متفق نہیں تھا اس کو باغی قرار دے کر اسلامی فقہ کے تحت سزائیں بھی دیں۔ آج کل دھرنے کی سیاست میں بھی یہی سوال سامنے آرہا ہے کہ پارلیمنٹ سے کوئی تبدیلی نہیں

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آسکتی۔ چنانچہ آج کا موضوع یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اس پر پوری دلجمعی کے ساتھ سوچ بچار کریں تاکہ اپنی آئندہ نسلوں کو کوئی متفقہ لائحہ عمل دے سکیں۔

صاحبزادہ امانت رسول

پرنسپل ادارہ فکر جدید، مدیر ماہنامہ فکرِ بلند لاہور

ہمارے ہاں آج کل جہاد کے ذریعے اسلام نافذ کرنے یا خلافت نافذ کرنے کی تحریکیں چل رہی ہیں حالانکہ اسلام نے جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیا ہے وہ مشاورت ہے۔ اس کو نظر انداز کر کے جو تبدیلی لانے کی کوشش ہو رہی ہے اس سے صرف فساد اور تخریب ہی برآمد ہو رہی ہے۔ عوام کی رائے کو نظر انداز کر کے ہم اسلام نافذ نہیں کر سکتے۔ اسلام نے اپنے اجتماعی معاملات میں لوگوں کو شریک کرنے پر زور دیا ہے۔ مسلم معاشرے میں اس بات کی بھی کوئی گنجائش نہیں ہوتی کوئی جماعت تفرقے کی بنیاد پر چاہے وہ مذہبی ہو، لسانی یا علاقائی ہو کی بنیاد پر قائم ہو۔ اگر آپ امتِ واحدہ کا حصہ ہیں تو مذہبی طور پر آپ کو اپنی رائے دینے کا تو حق ہے مگر اسے دوسروں پر تھوپا نہیں جا سکتا۔ سیاسی معاملات میں مرد عورت کو بلاتفریق رائے دہی کا حق حاصل ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ مرد کے مقابلے پر عورت ان معاملات میں زیادہ فعال نہیں ہے۔ ہمارے لوگ تبدیلی کے لئے تدریجی عمل کو بھی نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر ہم آئین کی دفعہ 62 اور 63 کی بات کرتے ہیں مگر جو مجموعی صورتحال ہے کیا اس میں ایسے لوگ برسر اقتدار آ سکتے ہیں جو شعار اسلام کے ساتھ ساتھ ہماری قیادت کے بھی اہل ہوں۔ چنانچہ آپ تدریجی عمل کو نظر انداز کر کے اسلام کو نافذ نہیں کر سکتے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ پچھلے دو تین سو سال سے ہمارے ہاں فکر و فلسفہ میں کوئی ترقی نہیں ہوئی، اگر کوئی کام ہوا بھی ہے تو اس کی حیثیت انفرادی ہے۔ آج کی دنیا میں مغربی فلسفے کا غلبہ ہے اور ہمارے پڑھے لکھے لوگ یہاں رہنا ہی نہیں چاہتے تو پھر فکری اور تحقیقی کام کیسے ہو گا؟ آپ یہاں بیٹھ کر مغرب کے خلاف جو مرضی بولیں، جمہوریت کے خلاف بات کریں مگر ہمارا اس وقت تک مغرب کے ساتھ مقابلہ نہیں ہو سکتا جب تک ہم فکر و فلسفہ میں ترقی نہ کریں۔ جب ہماری فکر مظبوط ہو گی تو خود بخود بہتری آئے گی۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

مولانا سید احمد بنوری
معلم جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی

ہمارے وہ نوجوان جو مسلح جدوجہد کو ضروری سمجھتے ہیں اب ان کا رخ خارج کی طرف نہیں بلکہ داخل کی جانب ہے انھیں اب اس بات پر یقین ہے کہ اصل مسئلہ مغرب نہیں بلکہ خود مسلم معاشرے ہیں جو کفر کا شکار ہو چکے ہیں اس لئے پہلے ان کو تبدیل کرنا چاہئے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ پاکستان میں لبرل طبقہ بھی اس نظام کے بارے میں یہ رائے رکھتا ہے کہ یہ ہمیں کچھ نہیں دیتا بلکہ اب تو خانقاہی حلقے بھی اس کے خلاف ہو چکے ہیں۔

جمہوریت ہونی چاہئے یا نہیں، میرے نزدیک اہم یہ ہے کہ اسلام اس سوال کو کہاں پر دیکھتا ہے۔ میرے نزدیک سب سے اہم بات یہ ہے کہ ہمارے حکمرانوں کا انتخاب ہم خود کریں گے یا کوئی ہمیں کر کے دے گا۔ کیا یہ فیصلہ برابری کی بنیاد پر ہوگا یا کسی کی رائے کو کسی کی رائے پر فوقیت ہوگی۔ فقہی استدلال میں، میں قدیم علماء کی رائے کو متعین سمجھتا ہوں کہ جنھوں نے حضور نبی کریمؐ کے بعد آنے والے مسائل کی بنیاد بنا دیا کہ خلافت منصوص ہوتی ہے یا یہ فیصلہ عامۃ الناس کرے گی۔ اسی مسئلے پر مسلمانوں میں پہلی تقسیم ہوئی علمائے اہل سنت کا کہنا تھا کہ یہ فیصلہ عوام نے کرنا ہے۔ وہ استدلال جو اس نظام سے نفرت کی بنیاد بنے وہ یہ ہے کہ دین کا مطالبہ اطاعت یا عبودیت ہے دین نے لازم کیا ہے کہ انسان خدا کے آگے سر جھکائے جبکہ جمہوریت یہ کہتی ہے کہ انسان اپنی رائے دے۔ ہمارے ہاں فکری طور پر اس کو شدید مخاصمے کی وجہ بنا دی گئی ہے کہ جمہوریت یہ کہتی ہے کہ انسان اپنی رائے ظاہر کرے جبکہ مسلمان اپنی رائے کا اظہار نہیں کر سکتا وہ بہر کیف خدا کی رائے کا پابند ہے۔ اگر انسان کی رائے کو اہمیت دی گئی تو وہ بنیادی طور پر شر کو پسند کرنے والا ہے اس لئے اس کے جو جی میں آئے گا کرے گا۔ میں سمجھتا ہوں اس فکری مغالطے کو دور کرنا بہت ضروری ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں کہ انسان کو دنیا میں لانے کے بعد خدا نے تو اس سے یہی مطالبہ کیا کہ وہ اطاعت کا مظاہرہ کرے، لیکن خدا یہ چاہتا ہے کہ اس کا بندہ عبد بنے طاغوت نہ بنے۔ چنانچہ یہ نہیں کہ انسان عبدیت اختیار کرے اور حریت چھوڑ دے۔ خدا کا مطالبہ دنیا میں بندے سے یہی ہے کہ وہ خدا کی بات کو تسلیم کرے لیکن کرے اپنی مرضی سے۔ اگر آپ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اس کی مرضی سلب کریں گے تو آپ اس کو مکلف ہی نہیں بناتے کہ وہ خدا کی دنیا میں زندہ رہ سکے۔ آدم کے وقت جب مکالمہ ہوا اور ابلیس نے خدا سے اذن چاہا کہ میں دنیا میں آدم کو گمراہ کروں گا تو خدا نے پوری شانِ استغنائی سے اس کو اجازت دے دی اور کہا کہ جو تمھاری مانے گا وہ اخروی طور پر تباہ ہوگا اور جو میری مانے گا وہ اخروی طور پر کامیاب ہوگا۔

والٹیئر نے ایک تاریخی جملہ کہا تھا کہ میں تمھارا مخالف ہوں مگر تمھارے حقِ تنقید کے لئے اپنی جان دیتا ہوں۔ میں دینی طالبعلم کی حیثیت سے سمجھتا ہوں کہ حق ایک ہے اور لوگوں کو اللہ اور اس کے رسولؐ کی ماننا چاہئے لیکن بہرکیف ماننا اپنی مرضی سے چاہئے۔ اس کے بعد جمہوریت پر اعتراض کی بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر رشید احمد:

اسسٹنٹ پروفیسر شیخ زید اسلامک سینٹر پشاور یونیورسٹی

جب ہم مغربی جمہوریت کی بات کرتے ہیں تو اس کے مقابلے پر ہمیں یہ بھی دیکھنا ہوگا کہ کیا سلامی جمہوریت بھی کوئی چیز ہے یا نہیں۔ آئین پاکستان کا جمہوری ہونا مسلّم ہے مگر اس کا اطلاق کہیں نظر نہیں آتا، اسی طرح اسلام کا مزاج جمہوری ہے مگر مسلمانوں کو دیکھا جائے تو یہ کہیں نظر نہیں آتا۔ ریاست کے حوالے سے ہمارے فقہا نے دولتِ اسلامیہ کا لفظ استعمال کیا ہے۔ جبکہ جدید ریاست کے چار عناصر آبادی، علاقہ، حکومت اور اقتدار اعلیٰ بیان کئے جاتے ہیں جب ہم اس لحاظ سے اسلامی ریاست کو دیکھیں گے تو پھر ان سب عناصر کو الگ الگ دیکھنا پڑے گا کہ کیا اس طرح کوئی ریاست اسلامی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ جمہوریت پر سب سے بڑا اعتراض یہی کیا جاتا ہے کہ اس میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کے پاس ہوتا ہے مگر اسلامی ریاست میں یہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اسلام میں ریاست اور مذہب کو الگ الگ نہیں دیکھا گیا مگر جمہوریت میں یہ دونوں الگ الگ ہیں۔ جمہوریت قوم پرستی کو فروغ دیتی ہے جس سے تفرقہ جنم لیتا ہے اسلام کسی قسم کے تفرقے کے خلاف ہے۔ پارٹی سسٹم اور حزب اختلاف کا بھی اسلام میں کوئی تصور نہیں ہے۔ اگرچہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضور نبی کریمؐ کے وصال کے بعد تین گروہ بن گئے تھے جنھیں اس وقت کی پارٹیاں کہا

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جاسکتا ہے ایک گروہ انصار کا تھا جو سعد بن عبادہؓ کی قیادت میں سرگرم تھا، دوسرا قریش کا تھا جس کی قیادت حضرت ابو بکر صدیقؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت ابو عبیدہ بن جراحؓ کر رہے تھے۔ تیسرا گروپ بنو ہاشم کا تھا جس کی قیادت حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کے پاس تھی۔ جمہوریت میں قانون سازی کا حق پارلیمنٹ کو حاصل ہے مگر اسلام میں صرف شوریٰ ہی قرآن وسنت کی روشنی میں محدود قانون سازی کا حق رکھتی ہے۔ جمہوریت میں ہر فرد کو حقِ رائے دہی حاصل ہے مگر اسلام یہ حق ہر کسی کو نہیں دیتا۔ موجودہ حالات کو دیکھا جائے تو داعش، القائدہ، الشباب، حزب التحریر اور طالبان مسلح جدوجہد پر یقین رکھتے ہیں اور اس کے مقابلے پر مصر کی الاخوان، پاکستان کی جماعت اسلامی، جمعیت علمائے اسلام وغیرہ سیاسی جدوجہد کر رہی ہیں تاکہ اس ذریعے سے اسلام کو نافذ کیا جاسکے۔ شیخ الہند جب مالٹا سے واپس آئے تو انھوں نے بھی مسلح جدوجہد کا راستہ ترک کر دیا تھا۔ اس میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں موجودہ حالات کے تناظر میں یہ دیکھنا ہوگا کہ لوگ مسلح جدوجہد کی طرف کیوں مائل ہو رہے ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز صمدانی

جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی

اسلام نے حکومت سازی کے اصول دیے ہیں لیکن ان میں قابلِ ترجیح کون سے ہو سکتے ہیں اور قابلِ قبول کون سے۔ اسی طرح جب کوئی حکومت قائم ہو جاتی ہے تو استبدال حکومت کا شرعی طریقہ کیا ہے؟ خلافت کے لئے کوئی ایک طریقہ ہمارے سامنے موجود نہیں چاروں خلفاء الگ الگ طریقے سے اقتدار میں آئے۔ جس سے یہ قیاس کیا جاسکتا ہے کہ وقت اور حالات کو دیکھتے ہوئے آپ کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ لیکن خلیفہ کے لئے عوامی رائے کا دخل ضرور رہا ہے فرق صرف یہ ہے کہ پہلے اصحاب الرائے اس کو منتخب کرتے ہیں اور اس کے بعد عام لوگ اس کے ہاتھ پر بیعت کر کے اس کی تائید کرتے ہیں۔ کچھ کچھ پارلیمانی نظام میں بھی ایسا ہے کہ کچھ لوگ آپ منتخب کرتے ہیں اور وہ آگے جا کر وزیرِ اعظم کا چناؤ کرتے ہیں۔ جمہوریت کی دو بنیادی خاصیتیں ہیں ایک لبرل جمہوریت اور دوسری اسلامی جمہوریت۔ لبرل جمہوریت کے اندر خیر اور شر اضافی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اصطلاحات ہیں عوام جو چاہیں فیصلہ کریں، جبکہ اسلامی جمہوریت میں خیر اور شر اضافی نہیں قطعی اصطلاح ہے جس کو شریعت اچھا کہتی ہے وہ اچھا ہے اور جس کو شریعت برا سمجھتی ہے اس کو عوام اچھا نہیں سمجھ سکتے۔ اسی طرح قانون سازی کے دو دائرے ہیں ایک شریعت کا جس کے لئے ضروری ہے کہ شریعت کے ماہرین ہی فیصلہ کریں البتہ دوسرا دائرہ مباہات یا انتظامات کا ہے جس کے لئے مقننہ کو اختیار حاصل ہے۔ اسلام میں استبدالِ حکومت کے لئے اگر کوئی بغاوت کر دے تو چہ جائیکہ وہ پورا کنٹرول نہ سنبھال لئے وہ باغی ہی تصور ہوگا لیکن جب اس نے پورا کنٹرول سنبھال لیا تو پھر اس کے احکامات کی بجا آوری واجب ہے جیسے مارشل لاء ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکومت ہمارے حقوق پورے نہیں کر رہی اس لئے ہم اس کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں۔ اسلام تو اس بات کی اجازت نہیں دیتا بلکہ صبر کی تلقین کرتا ہے اور اپنے اپنے فرائض کی ادائیگی پر زور دیتا ہے۔

مولانا محمد شفیع چترالی

کالم نگار روزنامہ اسلام کراچی

یہ موضوع گزشتہ ایک سو سال سے زیر بحث ہے مگر گیارہ ستمبر کے بعد یہ سوالات زیادہ شدت کے ساتھ اٹھائے گئے ہیں۔ جب ہم اسلام اور جمہوریت کے تعلق کی بات کرتے ہیں تو دو انتہائی درجے کی آراء سامنے آتی ہیں، ایک یہ کہ جمہوریت کفر ہے اور اسلام کا جمہوریت سے کوئی واسطہ نہیں۔ دوسرا یہ کہ لبرل ڈیموکریسی کو ہمیں قبول کر لینا چاہئے اور اسلامی تعلیمات کی توجیح اسی کی روشنی میں کرنی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ ان دونوں انتہاؤں کے بیچ اگر یہ کہا جائے کہ اسلام اور جمہوریت دونوں کے بنیادی تصورات ایک جیسے ہیں اور دونوں ہی اجتماعی دانش کو پیشِ نظر رکھتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ کلیسا اور مغربی معاشرے کے درمیان جو تناؤ رہا اس کے بعد مغربی مفکرین نے جو سیاسی نظام وضع کیا اس کی بنیاد انسانی حقوق تھے جن پر جمہوریت کی بنیادیں استوار ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ایسا تناؤ اسلام اور معاشرے کے درمیان بھی ہے اس بات پر بھی غور کرنے کی ضرورت ہے۔ برِصغیر میں 1920 تک ایک بڑا مذہبی طبقہ تصادم اور مغرب سے بغاوت کی بات

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کرتا تھا لیکن تحریک ریشمی رومال کے بعد سب مذہبی حلقوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ وہ دستوری اور پرامن جدوجہد کریں گے۔ اسی کی بدولت پاکستان کے آئین میں قرارداد مقاصد اور اسلامی دفعات شامل ہوئیں جن کے لئے اس وقت کے جید علماء کا انتہائی اہم کردار تھا۔ اب اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ جمہوریت اور آئین کفر ہے تو وہ دراصل اس ساری جدوجہد پر خطِ تنسیخ کھینچتا ہے۔ پاکستان کا آئین اسلامی ہے یہ بات فکری اور نظری اعتبار سے طے ہے مگر عملی طور پر صورتحال دوسری ہے۔ جب ہم ایک عام آدمی کو کہتے ہیں کہ پاکستان کا آئین اسلامی ہے اور یہ ایک اسلامی ریاست ہے تو وہ سوچتا ہے کہ اسلام تو انصاف کی بات کرتا ہے کیا ہمارے ہاں انصاف ہے ؟ اسلام حقوق کی بات کرتا ہے کیا یہاں وہ حقوق سب کو حاصل ہیں؟ اسلام ایک ایسی حکومت کی بات کرتا ہے جو اسلام کی شان و شوکت اور غلبے کی بات کرے لیکن ہمارے حکمران اور ریاست کسی بھی معاملے میں ہماری ترجمانی نہیں کرتے۔ چنانچہ لوگ اس سے متنفر ہو رہے ہیں۔ مصر میں دیکھ لیں وہاں اخوان المسلمین کی حکومت جمہوری جدوجہد کے بعد برسر اقتدار آئی مگر ایک سال کے بعد ہی اس کو رخصت کر دیا گیا۔ حماس کی اسلامی حکومت کو بھی قبول نہیں کیا گیا۔ آج داعش جیسی تنظیموں کے پیچھے یہی فکر کارفرما ہے۔ کیونکہ مغرب کو جمہوریت کے ذریعے بھی اسلام پسند قابلِ قبول نہیں ہیں۔ میں یہ کہتا ہوں کہ سوال یہ نہیں کہ اسلام کو جمہوریت سے کوئی مسئلہ ہے بلکہ اصل بات یہ ہے کہ جمہوریت کو اسلام سے مسئلہ ہے۔

خورشید احمد ندیم: صاحبِ صدر

چترالی صاحب کی گفتگو سے ایک اہم نقطہ سامنے آیا ہے کہ کیا جمہوری ہونے کے لئے سیکولر ہونا بھی ضروری ہے؟ یہ سوال ہمارے موجودہ تناظر میں بہت اہمیت اختیار کر چکا ہے اگر اگلے مقررین اس پر بھی کچھ روشنی ڈال سکیں۔

مولانا عبدالحق ہاشمی

مذہبی سکالر و ممبر ایڈوائزری کونسل جماعتِ اسلامی کوئٹہ

جمہوریت اگر اکثریتِ رائے کو جانچنے کا کوئی طریقہ ہے تو اس میں کوئی عقلی اور شرعی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قباحت ہمیں نظر نہیں آتی۔ کیونکہ جمہوریت کی اصطلاح مغرب سے پہلے مسلمانوں کے ہاں رائج تھی۔ جب ہمارے فقہا، مذاہب کے اختلاف کے سلسلے میں اپنی آراء کا اظہار کرتے تو اس میں ایک رائے جمہور کی بیان کی جاتی جس میں کلی نہیں بلکہ اکثریت مقصود ہوتی۔ اگر ہم فقہی مسائل میں جمہور کی رائے کو احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور علمی مباحث میں اس کا ذکر فخر کے ساتھ کرتے ہیں تو پھر سیاسی مباحث میں کون سا امر مانع ہوسکتا ہے۔ ایک دلیل ہمیں رسول اللہ کی زندگی سے یہ ملتی ہے کہ اگر ہم کسی نئی چیز کو قبول کریں تو وہ اصلاحی ہو کلی نہ ہو۔ مثال کے طور پر غلامی عرب میں ایک قدیم رسم تھی جس کو یکسر ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ رسول اللہ نے اس کو رائج رکھا مگر ایسے اصول وضوابط دے دیئے کہ آہستہ آہستہ وہ خود ہی ختم ہو کر رہ گئی۔ گویا بحیثیتِ مسلمان ہمیں کوئی امر مانع نہیں کہ ہم جمہوری نظام کے اندر تبدیلیاں لا کر اس کو اپنے معاشرے اور نظام کے مطابق ڈھال لیں۔ پاکستان کے آئین میں قراردادِ مقاصد بھی ہے اسلامی شقیں بھی ہیں، اسلامی نظریاتی کونسل بھی ہے مگر ان میں سے کوئی بھی چیز پریکٹس میں نہیں ہے۔ جن معاشروں میں افراد کے حقوق کی پاسداری ہو رہی ہے وہاں نہ کوئی داعش ہے نہ طالبان، نہ القائدہ اور بوکوحرام، یہ صرف ان معاشروں کا کھیل ہے جہاں جابرانہ تسلط کے ذریعے لوگوں کو محرومی کی جانب دھکیلا گیا ہے۔

مفتی محمد زاہد
وائس پرنسپل جامعہ امدادیہ فیصل آباد

ایک سوال یہ ہے کہ کیا موجودہ جمہوری سسٹم اس تبدیلی کے لئے مددگار ثابت ہوسکتا ہے جو ہم چاہتے ہیں۔ 1973 کا آئین ایک عہد ہے جس کی پاسداری ہم سب پر اخلاقی اور مذہبی طور پر عائد ہوتی ہے۔ اگرچہ آئین یہ نہیں کہتا کہ جو میں کہہ رہا ہوں وہ حرف آخر ہے بلکہ دستور خود تبدیلی کا تقاضا کرتا رہتا ہے۔ آج تک ہمارے دستور میں اٹھارہ ترامیم ہو چکی ہیں۔ اٹھارویں ترمیم گویا آئین کی ایک بالکل نئی شکل ہے۔ ہوسکتا ہے کہ جیسا دستور ہم آج دیکھ رہے ہیں اگلے بیس تیس سالوں میں اس کی کوئی اور ہی شکل ہو جائے۔ کیونکہ آئین قرآن وحدیث نہیں ہے اور یہ آپ سے کہتا رہتا ہے کہ آپ اپنی ترجیحات اور ضروریات کے تحت اس کو تبدیل کرتے رہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

آئین تبدیلی کو روکتا نہیں ہے بلکہ تبدیلی کی گنجائش پیدا کرتا ہے۔ ہمارے ہاں مسئلہ یہ ہے کہ اگر میرے ذہن میں آئین سے ہٹ کر کوئی رائے بن گئی ہے اور میں نے اپنے چند حمایتی بھی بنا لئے ہیں تو میں مطالبہ کرتا ہوں کہ آئین کو میری خواہش پر بدل دیا جائے حالانکہ اس مقصد کے لئے جو دستوری طریقہ کار ہے اس کے مطابق ہی آئین میں ترمیم ہو سکتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں آئین کو جس طرح سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے اس کی ایک وجہ وہ مبہم بیانئے بھی ہیں جو یہاں لوگوں کے ذہنوں میں پل رہے ہیں یہاں ادارہ جاتی تحقیق کا رواج نہیں جو ان مبہم بیانیوں کا راستہ روک سکیں اگر اس سلسلے میں کوئی کام ہو تو بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔

ڈاکٹر ثاقب اکبر

ڈائریکٹر اخوت اکیڈمی اسلام آباد

حدیث پاک کی آئینی حیثیت پر عالم اسلام اور پاکستان میں بہت کام ہوا ہے۔ اسلامی نظریاتی کونسل نے اجتہاد دین کے حوالے سے اہم کام ضرور کیا ہے لیکن پارلیمنٹ میں اس کو زیر بحث لانے کی ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اسلامی نظریاتی کونسل کا حسن یہ ہے کہ اس میں تمام مکاتب فکر کی نمائندگی ہے۔ جو سفارشات مرتب کی گئی ہیں ان پر سب کا اتفاق ہے۔ یہاں خلافت کے احیاء کی بات کی گئی جو لائق مبارک تو ہے مگر اسلام میں حکمران کے انتخاب پر کوئی اجتماعی لائحہ عمل نہیں ملتا پھر آئینی حکومت کے ارتقاء اور خلافت کے قیام میں ٹکراؤ پایا جاتا ہے۔ آج کل آپ اکثر سنتے ہیں کہ قرآن وسنت کی موجودگی میں کسی آئین کی ضرورت نہیں ہے جس سے معاشرے میں غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ حالانکہ آئین کی ضرورت قرآن وسنت کے مطابق ہی ہے۔ جدید فہم نے جو سوالات اٹھائے ہیں اگر ان کو نظر انداز کر بھی دیا جائے تب بھی عقل وخرد کو ترجیح دینے والوں کے سوالات کا جواب دینا ہمارے علمی وفکری اداروں کی ذمہ داری ہے نیز یہ بھی کہ اس سے قانون سازی پر کیا اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ پھر عالمی قوانین جن کی پاسداری ہماری حکومتیں کر رہی ہیں ان کے بارے میں ہمارے فقہاء کیا رائے رکھتے ہیں، کیا ہمیں ان کی پاسداری کرنی چاہئے؟ انسانوں کے تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے اپنی شریعت فہمی اور

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

قانون شریعت کے فہم پر نظر ثانی کے حوالے سے سوچیں کہ کیا اس پر مزید غور و فکر کی ضرورت ہے۔

مولانا عطاء اللہ شہاب

ممبر نارردرن ایریا کونسل و رہنما جمعیت علمائے اسلام گلگت

1947 سے پہلے جب قیام پاکستان کی تحریک چلائی گئی تو ہر طرف ایک ہی نعرہ تھا ''پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ، لیکن جب پاکستان بن گیا تو اس کے بعد فکری مغالطوں کا باقاعدہ آغاز ہوا کہ جس نعرے کو ہم نے پاکستان کے بنیادی محرک کے طور پر پیش کیا اُس کی عملی تعبیر کیا ہوگی؟ جن مقتدر قوتوں کی خواہشات قیام پاکستان سے جڑی ہوئی تھیں انھوں نے بھی دانستہ طور پر اس خلیج کو وسیع کیا تا کہ ان کے مفادات کو نقصان نہ پہنچے۔ اس لئے جب بھی یہاں نفاذ اسلام کی بات کی جاتی یہ لوگ کہتے کون سا اسلام، دیوبندیوں کا بریلویوں کا یا شیعوں کا، پہلے آپس میں اتفاق کر لیں پھر فیصلہ کر لیں گے۔ اس کے بعد 1952 میں تمام مکاتب فکر کے علماء علامہ بشیر احمد عثمانی کی قیادت میں اکٹھے ہوئے اور 22 نکات پر متفق ہوئے۔ آئین پاکستان میں بہت سی باتیں طے کر دی گئیں مگر ان کا عملی پہلو کہیں پر نظر نہیں آتا۔ خود آئین پاکستان کو روزانہ ڈی چوک میں چیلنج کیا جاتا ہے۔ قوم میں روز بروز ابہام بڑھ رہا ہے اس طرح کے فکری مکالموں سے قوم کو کوئی راہ مل سکتی ہے اور یہ سلسلہ جاری رہنا چاہئے۔

مولانا عمار خان ناصر

ڈپٹی ڈائریکٹر الشریعہ اکیڈمی گوجرانوالہ

نفاذِ اسلام کے لئے کون سا طریقہ اسلامی اصولوں کے مطابق ہے؟ کیا وہ طریقہ جو پاکستان کی صفِ اوّل کی مذہبی سیاسی جماعتوں نے اختیار کیا ہوا ہے یا پچھلے کچھ عرصے سے اس راستے کو ناکام سمجھتے ہوئے کچھ گروہوں نے ایک متبادل راستہ تجویز کیا ہے۔ ہمیں ان لوگوں کی جانب سے اٹھائے گئے سوالات پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، عسکری جدوجہد پر یقین رکھنے والوں کا اصل مسئلہ اختیارات کی تقسیم، انتخابات کا طریقہ یا عوام کی رائے کی اہمیت کا نہیں بلکہ وہ اس سارے نظام کو اس لئے قبول کرنے کو تیار نہیں کیونکہ یہ سسٹم ان کے ہدف میں رکاوٹ ہے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

ہماری فکر اور تہذیبی روایات ریاست سے داخلی اور خارجی سطح پر جس شان و شوکت کا تقاضا کرتی ہیں اس کا پس منظر اسلام کا وہ دور ہے جس میں وہ اپنے عروج پر تھا۔ یہ لوگ ریاست سے ویسی ہی شان کی بحالی کا مطالبہ کرتے ہیں۔ چنانچہ اس طبقے کے ساتھ ہمیں براہِ راست مکالمہ کر کے اس کے سوالوں کا جواب دینا چاہئے۔ میرے خیال میں وہ سوالات درج ذیل ہیں:

1۔۔ دنیا میں کسی بھی قوم کے تہذیبی و سیاسی غلبے کے لئے سنتِ الٰہی کیا ہے؟ کیا تہذیبی و سیاسی غلبہ حق کے ساتھ مشروط ہے، کیا اللہ کا قانون ہے کہ وہ دنیا میں اسی قوم کو غلبہ دیتا ہے جو حق پر کھڑی ہو یا یہ کہ اس غلبے کے لئے اصول و ضوابط مختلف ہیں؟

2۔۔ دنیا میں سیاسی، تہذیبی اور اقتصادی غلبے کا کتنا تعلق انسان کی تقدیر سے ہے اور کتنا تکوینیات سے ہے؟ کیا محض تدبیری کوشش سے کچھ چیزیں حاصل کی جا سکتی ہیں یا یہ کہ خدا بھی تکوینی سطح پر کچھ فیصلے کر رہا ہوتا ہے؟ پھر یہ کہ اگر تکوینی سطح پر کوئی فیصلہ ہوا ہے تو کیا ہم محض تدبیری کوششوں سے اس کے خلاف تبدیلی لا سکتے ہیں؟

3۔۔ اگر کسی قوم یا ملت کو صدیوں عروج حاصل رہا اور صدیوں کے عمل سے وہ زوال کا شکار ہوئی تو کیا صدیوں کے زوال کو ختم کرنے کے لئے کوئی مختصر المدتی حکمت عملی کارگر ہو سکتی ہے؟

4۔۔ جہاد کے بارے میں قرآن و حدیث میں بہت سی چیزیں ملتی ہیں، بعض جگہ پر کہا گیا کہ اس امت کی کامیابی جہاد سے مشروط ہے، کیا اس کو ہم کچھ اور شرائط کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں یا یہ کہ ہم صرف جہاد سے ہی وہ نتیجہ حاصل کر سکتے ہیں جو ہمیں اسلامی تاریخ کے شروع میں حاصل ہوا تھا۔

5۔۔ جہاد کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کیا شریعت نے ہمیں اور بھی اصول دیئے ہیں، اس میں نفع و نقصان اور کامیابی کے امکانات کو کتنا وزن دینا چاہئے؟ توازن اور طاقت کے بارے میں ہمارا دین، شریعت یا فقہی اصول کیا رہنمائی دیتے ہیں؟

6۔۔ کیا مغرب کا عروج محض طاقت، دولت اور اسلحے کے زور پر دنیا میں قائم ہوا ہے یا اس کی بنیاد سیاسی اور فکری ہے؟

7۔۔ جب ہم امت کی سطح پر مسلمانوں کے تہذیبی غلبے کا خواب دیکھتے ہیں۔ آج یہ امت داخلی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سطح پر جس صورتحال سے دوچار ہے اس کو موضوع بنائے بغیر اور کوئی ٹھوس حل تجویز کئے بغیر ہم توقع کر سکتے ہیں کہ ہم دنیا میں مغربی تہذیب کی جگہ لے سکیں گے؟

8۔۔ اسلام محض پوجا پاٹ کا مذہب نہیں ہے وہ ایک تہذیب ہے جو دنیا پر دوبارہ غلبے کا خواب دیکھتی ہے۔ کیا اسلام کے غلبے کی وہ صورت ممکن ہے جو ہمارے ذہنوں میں ہے؟ اس سلسلے میں ہمیں بعض مثالیں تاریخ سے بھی ملتی ہیں کہ اگر اللہ کو دنیا میں دوبارہ غلبہ اسلام کرنا ہے تو کیا وہ ایسا نہیں کر سکتا کہ تاتاریوں کی طرح کسی اور قوم کو یہ منصب سونپ دے اور کسی اور سے یہ کام لے لے۔

9۔۔ جمہوریت اور اسلام کے حوالے سے جو بحث ہو رہی ہے اس میں ایک بنیادی نقطہ یہ ہے کہ اسلام کے اساسی تصورات میں اور تاریخ میں مسلمانوں نے اس کو کیسے برتا ہے۔ کیا یہ ساری چیزیں ہم معنی ہیں کہ جو اسلام ہے وہ مسلم تاریخ بھی ہے یا یہ ساری ایک ہی چیزیں ہیں، یا ان میں ہمیں فرق کرنے کی ضرورت ہے؟

10۔۔ امت کے لئے راہِ عمل متعین کرنا کس کا حق ہے؟ رائے کی آزادی تو سب کو ہے لیکن بالفعل امت کی طرف سے لائحہ عمل طے کر کے اور اس پر عمل شروع کر دینا اور باقی امت سے یہ توقع رکھنا کہ وہ ان کی پیروی کریں اور جو نہ کرے وہ نہ صرف غیر معیاری مسلمان ہے بلکہ اس کے خلاف فتوے بھی صادر کر دئے جاتے ہیں؟

میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہمارے اگلے مکالموں میں ان سوالات پر توجہ دینے اور اس طبقے کو براہِ راست شریک کرنے کی ضرورت ہے اگر وہ شریک نہ بھی ہو تو امت خود اجتماعی طور پر یہ طے کر کے ایک اجتماعی لائحہ عمل دے تاکہ فکری سطح پر اس مخمصے کا خاتمہ ہو سکے۔

صدارتی خطبہ

خورشید احمد ندیم
مذہبی سکالر، کالم نگار و اینکر پرسن پاکستان ٹیلی ویژن اسلام آباد

ہمیں ایک بنیادی سوال کا احاطہ کرنا پڑے گا کہ ریاست کی ضرورت کیوں ہے؟ کیا یہ

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام کے غلبے کے لئے ہے یا ریاست کا ادارہ کچھ اور ضروریات کی تکمیل کے لئے ہے۔اس سوال کے ضمن میں کئی سوال جنم لیتے ہیں اگر ریاست بنانا اسلام کا مقصود ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے خدوخال منصوص ہیں تو اس سے یہ مقدمہ ثابت ہوتا ہے کہ جو ریاست اسلام کے ماننے والے بنائیں گے وہ ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہوگی اور خاص نظریئے کی ترویج واشاعت اس کے بنیادی مقاصد میں شامل ہوں گے۔تو پھر بلاشبہ یہ ریاست اس ریاست سے قطعی مختلف ہے جو ریاست آج ارتقائی مراحل طے کر کے وجود میں آئی ہے،جس کو ہم قومی یا سیکولر ریاست کہتے ہیں۔جس کے اہداف میں لوگوں کی معیشت،سیاست اور سماج کو منظم کر کے سب کو ایک نظام کے تابع بنانا ہوتا ہے۔یہ ریاست انسانوں کے ان بنیادی حقوق،جن کا تعین وقت کے ارتقاء نے کیا ہوتا ہے ان کو یقینی بناتی ہے۔جبکہ ہم اسلامی ریاست کے اہداف کو مقاصدِ شریعت کے تحت بیان کرتے ہیں۔جدید ریاست کسی نظریئے کو بنیاد بنا کر عالمی سطح پر ایک مورچہ قائم کرنے کی نفی کرتی ہے،کیونکہ وہ کوئی نظریہ نہیں رکھتی،اس کے شہریوں کا نظریہ ہوسکتا ہے،جدید ریاست ایک متعین دائرے کے اندر اس کی ترویج واشاعت کی ضمانت دیتی ہے۔جبکہ مسلمان جو ریاست بنائیں گے اس کے مقصد کو مولانا مودودی نے بڑے شدومد کے ساتھ بیان کیا ہے جس کو فریضۂ اقامتِ دین یا غلبۂ دین کہتے ہیں ان کے بقول اسلام کے پانچ نہیں چھ فرائض ہیں اور چھٹا فریضہ اقامتِ دین ہے۔لہٰذا جب اسلامی ریاست بنے گی تو وہ غلبۂ دین کے لئے بنے گی۔اب اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس ریاست کے اندر جو اس نظریئے کو نہیں مانتے وہ اس کے شہری تو بن سکتے ہیں لیکن کیا انھیں ریاست کے کلیدی عہدوں پر فائز کیا جاسکتا ہے؟ چنانچہ یہاں سے غیر مسلموں کے حقوق کا تصور پیدا ہوتا ہے کہ کیا انھیں بنیادی شہری حقوق میں برابر کی حیثیت دی جاسکتی ہے۔مولانا مودودی اور مولانا امین اصلاحی وغیرہ نے اس پر بہت کچھ لکھا ہے۔مسلمانوں کو اصل مسئلہ یہ درپیش ہے کہ جس نمونے کے اندر انھیں اپنے نقطۂ نظر کو فروغ دینا تھا وہ قومی ریاست کا نمونہ تھا۔پاکستان کی ریاست جن حالات میں بنی اس کو نظریاتی ریاست کہتے ہیں اب اس میں دین کا غلبہ قائم کرنے کی تحریک ہمارے دساتیر میں قراردادِ مقاصد سے لے کر 1973 تک نظر آتی ہے۔آپ نے طے کر دیا کہ سربراہِ مملکت مسلمان کے علاوہ اور کوئی نہیں بن سکتا جس پر اقلیتوں نے ایسے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سوالات اٹھائے جو قومی ریاست کے تناظر میں تھے مگر انھیں اسلامی ریاست کے تناظر میں دیکھا جانے لگا۔ بعد میں جیسے جیسے حالات تبدیل ہوتے گئے بجائے اس کے کہ آپ آگے بڑھ کر کوئی نقطہ نظر اختیار کرتے، حالات کی تبدیلی کے تحت آپ اپنے آپ کو تبدیل کرتے چلے گئے۔ مثلاً ووٹ کا حق کہ مسلمان اپنے نمائندوں کا انتخاب اور غیر مسلم اپنے نمائندوں کا انتخاب کریں گے۔ لیکن بعد میں جب اس پر بحث ہوئی تو آپ جداگانہ کی بجائے مشترکہ انتخاب پر راضی ہو گئے اور غیر مسلموں کو بھی اسی طرح ووٹ کا حق مل گیا جیسا کہ مسلمانوں کو حاصل تھا۔ جب آپ نے یہ حق تسلیم کر لیا تو پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سیاسی جماعتیں امیدواروں کے چناؤ میں امتیاز برتیں۔ آئین کے تحت جو ووٹ دے سکتا ہے وہ امیدوار بھی بن سکتا ہے۔ مشترکہ ووٹ کے تحت آپ کسی غیر مسلم کا راستہ نہیں روک سکتے کہ وہ مسلم حلقے سے کھڑا نہ ہو۔

ایک اور اہم سوال کہ شریعت کے تحت جو کوئی اپنے آپ کو کسی عہدے کے لئے پیش کرتا ہے وہ از خود نااہل ہو جاتا ہے۔ یہ سوال ہمارے ہاں بھی پچاس کی دہائی میں جماعت اسلامی کو درپیش رہا۔ جب جماعت کے اندر یہ بحث اٹھی تو اس کے لئے ایک پیچیدہ طریقہ کار اختیار کیا گیا۔ پہلے ایک گروپ بنے گا وہ کسی کو نامزد کرے گا کہ یہ فرد ووٹ لینے کا اہل ہے۔ جس کے نتیجے میں جماعت اسلامی نے مولانا امین اصلاحی اور مولانا اسماعیل سلفی کو انتخابات میں کھڑا کیا اور توقعات کے عین مطابق دونوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔ مولانا مودودی کہا کرتے تھے کہ جماعت کے اندر جو قرآن کا سب سے بڑا عالم تھا اس کو ہم نے کھڑا کیا اور جو حدیث کا سب سے بڑا عالم تھا اس کو بھی کھڑا کیا مگر دونوں کی ضمانتیں ضبط ہو گئیں۔ اور ضبط کیسے نہ ہوتیں مولانا امین اصلاحی جب انتخابی جلسوں میں تقریر شروع کرتے تو کہتے کہ دنیا میں اس سے بدترین آدمی کوئی نہیں ہے جو اپنے آپ کو کسی عہدے کے لئے پیش کرتا ہے۔ چنانچہ اس کے نتیجے میں جو انجام ہونا تھا وہ ہوا۔ پھر جماعتِ اسلامی ارتقائی مراحل سے گذری اور اب وہ بھی انتخابی طریقہ کار کو اسی طرح قبول کرتی ہے جس طرح پیپلز پارٹی اور دیگر جماعتیں کرتی ہیں۔ اگر اس سارے ارتقاء کو سامنے رکھیں تو قومی ریاست کے جو تقاضے تھے مسلمان شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کو تدریجاً اختیار کرتے چلے گئے۔ ان سب کے بارے میں اگر آپ ان سے علمی یا فقہی مباحث کریں گے تو اس نتیجے پر پہنچیں گے کہ اس کا کوئی

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

جواز نہیں ہے۔اس سلسلے میں تصویر سے لے کر عورت کے سیاسی کردار تک ایک طویل فہرست ہے۔علماء سے اگر ان کی رائے پوچھیں تو وہ اور ہے اگر ان کا طرزِ عمل دیکھیں تو وہ مختلف ہے۔ انھوں نے بالجبر ہی سہی ان سب کو قبول کر لیا ہے۔اس کے بعد یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے ریاست کے بنیادی تصور پر نظر ثانی کر لی ہے اور جو دوسرے لوگ اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ریاست کو کوئی نظریہ نہیں ہوتا ان کی پیروی کر رہے ہیں۔یہ وہ بنیادی تضادات ہیں جو اس وقت ہمیں درپیش ہیں۔ہم سوچتے تو ایک نظریاتی ریاست میں ہیں لیکن عملاً قومی ریاست کے نمونے میں حرکت پزیر ہیں۔آپ یہ تو مان لیتے ہیں کہ پارلیمنٹ قانون سازی کا حق رکھتی ہے لیکن جب وہ خواتین کے حقوق کے لئے کوئی قانون بناتی ہے تو آپ کھڑے ہو جاتے ہیں کہ ہم ایسا نہیں ہونے دیں گے۔حالانکہ آئین کے تحت آپ اس کے خلاف آواز تو اٹھا سکتے ہیں لیکن پارلیمنٹ کے حق کو سلب نہیں کر سکتے۔آپ کے علم میں ہے کہ مشرف دور میں حقوقِ نسواں بل لایا گیا تو دینی حلقے اس کے خلاف کھڑے ہو گئے، مشرف جیسے آدمی نے بھی پسپائی اختیار کی اور پھر متبادل طور پر کچھ علماء کی چھتری تلے یہ قانون بنا دیا گیا۔اس کا مطلب یہ ہے کہ علماء ساری بات کو سمجھتے ہوئے بھی شعوری طور پر اس احساس میں زندہ ہیں کہ اسلامی ریاست میں قانون سازی کا حق صرف علماء کو حاصل ہے اور یہ حق ان لوگوں کو نہیں دیا جا سکتا جو دین کو نہ ہی اس کے بنیادی امور کو سمجھتے ہیں۔میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ساری چیزیں جب تک وسعتِ قلبی کے ساتھ قابلِ توجہ قرار نہیں پائیں گی مسئلے حل نہیں ہوں گے۔داخلی جبر کے ساتھ آپ کو ایک عالمی جبر بھی درپیش ہے اور بہت سی ایسی چیزیں جن کی گنجائش تفہیمِ دین میں نہیں ہے مگر آپ ان کو قبول کرتے جا رہے ہیں۔مثلاً سزائے موت کا معاملہ ہے۔دین، قصاص کا قطعی اصول بتاتا ہے لیکن دنیا یہ کہتی ہے کہ جو ملک ایسا کرے گا اسے اقتصادی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔جس کی وجہ سے گزشتہ کئی سالوں سے سزائے موت پر عمل درآمد معطل ہے۔یعنی آپ نے قانون تو نہیں بدلا مگر اس کا نفاذ ختم کر دیا۔اگر ریاست نظریاتی ہے تو اسے اس قسم کے بین الاقوامی مسائل پر کیا کرنا چاہئے، ان سوالات پر بھی بحث ہونی چاہئے۔جمہوری ریاست کے نمونے میں پارلیمنٹ سے باہر دھرنوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے لیکن جب آپ اسلام کی بات کرتے ہیں تو پھر وہاں اکثریت کوئی معنی نہیں رکھتی وہاں حق

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

کے تحت اٹھ کھڑا ہونا ہی اہم ہے جیسے خروج کی شرائط بیان کی جاتی ہیں۔آپ ان دھرنوں کو خروج کے تناظر میں دیکھیں گے یا جدید جمہوری ریاست کے تناظر میں؟ علماء نے تو اس سلسلے میں علامہ اقبال کے اس اجتہاد کو بھی نہیں مانا جو وہ پارلیمنٹ کے بارے میں کرتے ہیں۔اسی طرح حکمتِ عملی کا معاملہ ہے کہ اسلامی ریاست کی حکمتِ عملی کیا ہونی چاہئے؟ مولانا مودودی نے تو اس سلسلے میں ایک کتابچہ بھی شائع کیا جس میں اسلامی ریاست کے قیام کے مراحل بیان کئے اور کہا کہ یہ منصوص ہے اور رسالت مآبؐ کی سیرت سے ماخوذ ہے۔پھر جماعت کا قیام بھی دین کی بنیادی ضروریات میں سے ایک ہے۔الجماعت کی جو روایتیں ہیں اس کا اطلاق بھی اس خاص جماعت پر ہونے لگتا ہے جو اقامتِ دین کے لئے اُٹھ کھڑی ہوتی ہے۔اور اگر آپ اس جماعت میں شامل نہیں ہیں جو غلبۂ دین کے لئے جدوجہد کر رہی ہے تو آپ ایک بنیادی فریضے سے انحراف کر رہے ہیں۔

میں یہاں پر پیشین گوئیوں کا ذکر بھی کرنا چاہوں گا کیونکہ ہم جو اپنا دینی اور سیاسی نمونہ بناتے ہیں اس کے اندر ان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔مثلاً امام مہدی کا تصور ہے ہماری تاریخ میں کئی لوگ امام مہدی ہونے کا دعویٰ کر چکے ہیں۔مولانا حبیب الرحمٰن کاندلوی نے ایک چھوٹا سا کتابچہ لکھا ہے کہ ''مہدویت نے اسلام کو کیا دیا ہے؟''۔انھوں نے ان سارے لوگوں کے حالات بیان کئے جنھوں نے مختلف ادوار میں امام مہدی ہونے کا دعویٰ کیا اور لوگوں سے کہا کہ آپ ہمارے ساتھ کھڑے ہو جائیں۔اہلِ تشیع حضرات تو امام المنتظر کی دعا بھی مانگتے ہیں اگر امام مہدی کی دعا مانگنی ہے تو پھر دجال کے ظہور کی بھی دعا مانگنی پڑے گی۔یہ سارا چیزیں دیکھنی پڑیں گی یہ کوئی کھیل تماشا نہیں ہے کہ کوئی آدمی اُٹھ کر امام مہدی ہونے کا دعویٰ کرے اور اگر امام مہدی کا ظہور واقع ہو جاتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ میں الگ کھڑا رہوں اور میرا دین بھی محفوظ رہے۔میرے لئے یہ بنیادی سوال ہے۔پھر یہاں خلافت علیٰ منہاج النبوت کی بات ہوئی۔ہمارے اہل علم میں سے بہت ساروں کی رائے ہے کہ اس حدیث کا مصداق حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے۔ان کا ظہور ہو گیا اور خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہو گئی اب مزید کسی خلافت کا انتظار نہیں ہے۔کیونکہ رسالت مآبؐ کی بعثت خود قربِ قیامت میں ہوئی ہے اور آپؐ کی تشریف آوری کے بعد

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

سارے کا سارا دور قرب قیامت کا ہے۔ اگر یہ پیشین گوئی پوری ہو چکی تو پھر ڈاکٹر اسرار صاحب ہمیں جس چیز پر اکھٹا کرنا چاہ رہے ہیں وہ کیا ہے؟ اگر ان سوالات کے جواب نہیں آئیں گے تو ساری بحث نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے کہ اطلاقی سوالات تو یقیناً اہمیت رکھتے ہیں لیکن اس سے زیادہ بنیادی سوالات اہمیت رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر اعجاز صمدانی

جامعہ دارالعلوم کورنگی کراچی

ہندوستان میں قومی ریاست کا تصور مولانا محمد حسین مدنی نے آج سے ستر سال پہلے پیش کیا ان کا کہنا تھا کہ آج دنیا اُس طرف جا رہی ہے لہٰذا ہمیں ہندوستان کو ایک قومی ریاست کے طور پر قبول کر کے اس کے اندر رہنا چاہئے اور اپنے حقوق کا تحفظ کرنا چاہئے۔ لیکن اس کے مقابلے پر اسلامی ریاست کے قیام کا نظریہ ان لوگوں نے پیش کیا جو آکسفورڈ اور کیمبرج کے پڑھے ہوئے تھے۔ یہ ان کی رائے تھی کہ اسلام کے نام پر ایک ریاست بننی چاہئے۔ عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ تضادات کسی ایک طبقے کے نہیں بلکہ ہم نے اس ملک کی بنیاد جن چیزوں پر رکھی، ہو سکتا ہے کہ کچھ تضادات وہاں سے چلے آ رہے ہوں۔ اگر علماء کی بات اُس وقت مان لی جاتی تو شاید آج ہم اِس مقام پر کھڑے نہ ہوتے۔

خورشید احمد ندیم:

پاکستان بنا تو دو قومی نظریئے پر تھا لیکن آج یہ قائم مولانا محمد حسین مدنی کے تصور پر ہے۔ اس لئے اب ہم پاکستانی قومیت کی بات کرتے ہیں جو پاکستان میں رہ رہے ہیں وہ ایک قوم ہیں۔ ہم قومیت کے لئے نظریئے کو نہیں جغرافیئے کو اساس بنا رہے ہیں۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

متفقہ سفارشات

کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں ہونے والے چار مباحث میں علمائے کرام اور مذہبی سکالرز نے جن امور پر اتفاق کیا وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ اسلام کے سیاسی نظام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ مسلمان ریاست میں کوئی قانون شریعت کے خلاف نہیں بنایا جا سکتا۔ البتہ اجتہادی امور میں اجتماعی بصیرت اور غور وفکر سے قانون سازی کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ مجلس قانون ساز کا تصور بنیادی طور پر اسلام کے خلاف نہیں ہے۔

۲۔ اسلام کا سیاسی نظام شورائیت کے اصول پر مبنی ہے۔ مطلق العنان بادشاہی اور آمریت کا طرز حکومت اسلامی تصورات کے خلاف ہے۔

۳۔ حکمرانوں کو رائے عامہ کا اعتماد حاصل ہونا چاہئے۔ تاہم حکمران کے انتخاب کا کوئی لگا بندھا ضابطہ شریعت میں نہیں بتایا گیا۔ خلفائے راشدین کا انتخاب الگ الگ طریقوں سے کیا گیا۔ اس لیے بدلتے ہوئے حالات میں اس مقصد کے لیے کوئی بھی موزوں طریق کار اختیار کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ اسلام کی رو سے امیدوار کا انتخاب ایمان، عمل صالح، اہلیت وصلاحیت اور دیانت وامانت کی بنیاد پر ہونا چاہئے، جیسا کہ آئین پاکستان کی شق ۶۲ و ۶۳ میں بھی اس کی ضمانت دی گئی ہے۔ پاکستان میں نظام انتخابات کی اصلاح کے ضمن میں اقدامات وتجاویز کو قومی سطح پر موضوع بحث بنایا جائے اور مروجہ طریق کار کے ساتھ دیگر متبادل طریقہ ہائے کار مثلاً متناسب نمائندگی وغیرہ کو بھی زیر غور لایا جائے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

۵۔ ریاستی سطح پر طے ہونے والے اجتماعی معاملات میں اختلافات ونزاعات کے تصفیے کے لیے اکثریت کی رائے کو بنیاد بنائے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ اقلیت کو یہ حق نہیں دیا جاسکتا کہ وہ اپنے تصورات اکثریت پر مسلط کرے۔ یہی اصول شریعت کی تعبیر وتشریح کے باب میں بھی لاگو ہوگا اور اس کا فیصلہ منتخب پارلیمان کی سطح پر ہوگا۔

۶۔ اسلام اگرچہ مختلف سیاسی گروہوں کے وجود کی نفی نہیں کرتا لیکن وہ اس پر اصرار کرتا ہے کہ حکمرانوں پر تنقید یا ان سے اختلاف کا مقصد نظام حکومت کی بہتری، انسانی حقوق کا تحفظ اور رفلاح عامہ ہونی چاہئے۔ اسلام دھڑے بندی اور اختلاف برائے اختلاف کے بجائے باہمی تعاون اور خیر خواہانہ محاسبہ وتنقید کو حکمرانوں اور رعایا کے باہمی تعلقات کی بنیاد تصور کرتا ہے۔

۷۔ پاکستان کا آئین ایک اسلامی آئین ہے جو علماء کی تائید سے مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں قرارداد مقاصد دیباچے کے طور پر موجود ہے، قوانین کو قرآن وسنت کے تابع رکھنے کی ضمانت دی گئی ہے اور خلاف شریعت قوانین کی تبدیلی کے لیے پورا طریق کار وضع کیا گیا ہے۔ اس کی حیثیت قومی اتفاق کی ہے جسے تمام نمائندہ طبقات کا اعتماد حاصل ہے۔

۸۔ آئین میں دی گئی ضمانتوں اور یقین دہانیوں کے باوجود ملک کے عملی نظام سے متعدد غیر اسلامی امور کا خاتمہ نہیں کیا جاسکا۔ اس پہلو پر خاص توجہ دینی چاہئے، کیونکہ یہ آئین میں کیے گئے عہد کا بھی تقاضا ہے اور حکومتوں کی طرف سے عملی کوتاہی اور تساہل کی وجہ سے فی نفسہ آئین اور دستور کے متعلق بھی منفی رجحانات جنم لے رہے ہیں۔

۹۔ ملکی قوانین کی شریعت کی روشنی میں اصلاح کے لیے آئینی ادارے اسلامی نظریاتی کونسل کی سفارشات کو غور وخوض اور بحث کے لیے پارلیمنٹ میں پیش کیا جائے اور اس بات کو یقینی بنایا جائے کہ دستوری طور پر کونسل کی سفارشات کا پارلیمان کے سامنے پیش کیا جانا ضروری ہو۔

۱۰۔ دستور پاکستان کی حیثیت ایک قومی معاہدے کی ہے جس کی پاس داری اسلامی تعلیمات کی رو سے تمام فریقوں پر ضروری ہے۔ البتہ دستور کی ہیئت میں کسی تبدیلی یا متبادل تجاویز کے

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

حوالے سے بحث ومباحثہ کا دروازہ کھلا رکھنا چاہئے۔ نہ تو دستور کی کسی شق سے نظری اختلاف کو غداری قرار دینا چاہئے اور نہ عملی طور پر دستور سے ہٹ کر بزور قوت ملکی نظام میں کوئی تبدیلی لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

۱۱۔ بعض طبقات کی طرف سے اسلامی اقدار کے مبنی غیر ذمہ دارانہ رویوں کی وجہ سے ردعمل پیدا ہوتا ہے جو بسا اوقات تشدد پر منتج ہوتا ہے۔ اس رجحان کے سد باب کے لیے غیر اسلامی تصورات اور سرگرمیوں کی حوصلہ شکنی کی جانی چاہئے اور مثبت اقدار کے فروغ کے لیے ریاست کے ساتھ ساتھ ذرائع ابلاغ کو بھی اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

۱۲۔ مسلمان معاشروں میں جمہوریت کا وہی تصور قابل قبول ہوسکتا ہے جو اسلامی نظام اقدار اور ضابطہ حیات سے ہم آہنگ ہو۔ مغربی قوتوں کو چاہئے کہ وہ مسلمان معاشروں کی مذہبی وثقافتی حساسیتوں اور ترجیحات کو پیش نظر رکھیں اور معاشرت کی تشکیل یا انتقال اقتدار کے حوالے سے مسلم رائے عامہ کے اکثریتی وجمہوری فیصلوں کا احترام کریں۔

۱۳۔ ایک نظریاتی اسلامی ریاست اور ایک قومی ریاست کی ترجیحات میں فرق کے حوالے سے پاکستان کے مختلف طبقات میں فکری ابہامات پائے جاتے ہیں جنھیں فکری سطح پر موضوع بنانے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں علمی وتحقیقی اداروں کو اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔

۱۴۔ نفاذ اسلام کے لیے غیر جمہوری اور عسکری جدوجہد پر یقین رکھنے والے طبقات کے ساتھ اسلام اور جمہوریت نیز جہاد اور غلبہ دین جیسے اساسی تصورات کے حوالے سے براہ راست مکالمے کا اہتمام کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے تاکہ اس ضمن میں موجود غلط فہمیوں اور ابہامات کا ازالہ کیا جاسکے۔

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

اسلام، جمہوریت اور آئینِ پاکستان کی بحث نئی نہیں ہے۔ تاہم عہدِ حاضر میں اس کا تناظر بدل گیا ہے۔ ایک طبقہ جمہوریت کو کفر قرار دیتا ہے تو دوسرا اسے شورائیت کے قریب تر گردانتے ہوئے اس میں ایسی اصلاحات کا داعی ہے جو اسلامی اور قومی تقاضوں سے مطابقت رکھتی ہوں۔ پاکستان کا آئین اس ساری بحث میں کہاں پر کھڑا ہے، یہ سوال اس لئے بھی اہم ہے کہ آج جہاں اس پر عملداری چوراہوں کا موضوع بن چکی ہے وہاں جمہوریت کے خلاف بات کرنے والوں نے اس کی اسلامی حیثیت بھی سوالیہ نشان بنادی ہے۔ اسلام کا نظامِ حکومت کیا ہے اور وہ کس قسم کے معاشرے کا داعی ہے؟ اس سارے پس منظر میں سوچا جائے تو آپ کے سامنے سوالات کی ایک دنیا آ کھڑی ہوتی ہے جس میں ہر مسلک اور مکتبہ فکر کا اپنا اپنا جغرافیہ ہے۔ زیرِ نظر تصنیف اسی جغرافئے کے اندر ایک چہل قدمی ہے۔

آئینِ پاکستان

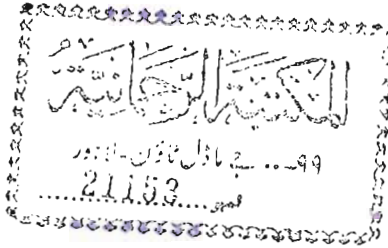

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

www.KitaboSunnat.com

" محکم دلائل سے مزین متنوع و منفرد موضوعات پر مشتمل مفت آن لائن مکتبہ "

اسلام، جمہوریت اور آئین پاکستان کی بحث نئی نہیں ہے۔ تاہم عہد حاضر میں اس کا تناظر بدل گیا ہے۔ ایک طبقہ جمہوریت کو کفر قرار دیتا ہے تو دوسرا اسے شورائیت کے قریب تر گردانتے ہوئے اس میں ایسی اصلاحات کا داعی ہے جو اسلامی اور قومی تقاضوں سے مطابقت رکھتی ہوں۔ پاکستان کا آئین اس ساری بحث میں کہاں پر کھڑا ہے، یہ سوال اس لئے بھی اہم ہے کہ آج جہاں اس پر عملدرآمد کی چورا ہوں کا موضوع بن چکی ہے وہاں جمہوریت کے خلاف بات کرنے والوں نے اس کی اسلامی حیثیت بھی سوالیہ نشان بنا دی ہے۔ اسلام کا نظام حکومت کیا ہے اور وہ کس قسم کے معاشرے کا داعی ہے؟ اس سارے پس منظر میں سوچا جائے تو آپ کے سامنے سوالات کی ایک دنیا آ کھڑی ہوتی ہے جس میں ہر مسلک اور مکتبہ فکر کا اپنا اپنا جغرافیہ ہے۔ زیر نظر تصنیف اسی جغرافیے کے اندر ایک چہل قدمی ہے۔

ISBN: 978-969-9370-20-5

Price: 100/-

پوسٹ بکس نمبر : 2110 اسلام آباد
فون : 051-2806074
فیکس : 051-8359474
ای میل : pips@san-pips.com
ویب سائٹ : san-pips.com